یداللہ فوق ایدیہم

پیر عبداللطیف خان نقشبندی
خلیفہ مجاز نیریاں شریف

سرِورق

سرِورق پر دی گئی قرآنی عبارت سُورہ الفتح کی
آیت نمبر ۱۰ کا ایک حصّہ ہے۔ یہ آیت بیعتِ رضوان کے موقعہ
پر نازل ہوئی۔ اس آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بیعت
کرنے والوں کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔
سرِورق میں بیعت کرنے والے کا ہاتھ سبز رنگ کے ساتھ
ظاہر کیا گیا ہے جس سے مراد یہ لیا جائے گا کہ بیعت
ہونیوالا شخص امن اور سلامتی میں داخل ہو رہا ہے جبکہ
پیلے رنگ والا ہاتھ شیخِ طریقت کی نورانیت کو ظاہر
کر رہا ہے۔ بیچ کا ہاتھ اِس حقیقت کو بھی واضح کر
رہا ہے کہ پیر کی ذات اللہ تعالےٰ اور بندے
کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا رُومؒ
نے دستِ شیخ کو اللہ کا ہاتھ ہونے کی تصدیق درجِ
ذیل الفاظ میں فرمائی ہے ؎

دستِ اُو را حق چو دستِ خویش خواند
(جب اللہ تعالیٰ نے اُس (بیعت لینے والے) کے
ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا)
تا "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" براند
(اس لئے اللہ تعالےٰ نے آیت"
یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ" کو نازل فرمایا ہے۔

سرورق :- دلدار یاسین احمد

"سایہ راہبر بہ است از ذکر حق" ع ۷۸
(پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے) حضرت مجدد الف ثانی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ

(المائدہ: ۳۵)

بیعت کی تشکیل اور تربیت

پیر عبد اللطیف خان نقشبندی

خلیفہ مجاز نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

جوازِ بیعت، اُسکی اہمیّت اور تصوّف کے احوال و اشغال
پر مختلف زاویوں سے مختصر مگر مدلّل گفتگو

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

خلیفہ مجاز نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

13۔ سر آغا خاں روڈ لاہور فون: 6307804, 6367480-83
Fax = (042) 6309761-2, 6362316, 6361026 http:// www. Jang-group.com

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ

ہر عمر اور ہر ذوق کے قارئین کے لئے

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

ناشر : میر شکیل الرحمٰن

اشاعت : مئی 2000ء

قیمت : 125روپے

زیر اہتمام و ادارت : مظفر محمد علی

پرنٹرز : جنگ پبلشرز پریس

: جنگ انٹر پرائزز لمیٹیڈ کا ذیلی ادارہ

: 13سر آغا خان روڈ لاہور

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری یہ تحریر

میرے سات روحانی درسوں سے اقتباس ہے

ہر ذی فہم شخص ایک سرسری نظر کے بعد اِس بات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت ضروری علومِ اسلامیہ سے بے بہرہ ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ جو لوگ نماز و روزہ کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہیں اور بیعت کی سعادت سے بھی سرفراز ہیں اُن کی اکثریت بھی عبادت کے اغراض و مقاصد اور حقیقتِ بیعت کی ضروری معلومات سے تقریباً نا آشنا ہے لہٰذا وہ اِن عبادات کی برکات اور ثمرات سے بھی محروم رہتی ہے۔ غالباً مسلمانوں کی دینی اور روحانی علوم سے عدم توجہی کا باعث اُن کا مال و دولتِ دنیا کی طرف ضرورت سے بہت زیادہ رغبت اور میلان کا پایا جانا ہے۔

اس فقیر کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے والے نئے احباب کی تعداد میں اچھے خاصے اضافے کے سبب یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے علمی، اخلاقی اور روحانی معیار کو مطلوبہ سطح تک لانے کے لئے ایک جامع تربیتی نظام کا اہتمام کیا جائے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ عبادت کے لوازمات سے متعلق محرومیٔ علم کے باعث بڑے بڑے عابد اور زاہد بھی عبادت کی برکات اور فیوضات سے محروم پائے جاتے ہیں۔ احباب کی اس کمی کو دور کرنے کے لئے اس فقیر نے لاہور میں مختلف مقامات پر سات درسوں کا اہتمام کیا (جو ۱۹؍ جولائی سے ۱۸؍ ستمبر ۱۹۹۳ء کے دوران مکمل کئے گئے) مذکور بالا سات درسوں کا خلاصہ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ان درسوں کو ترتیب دینے کے بعد اس بات کا احساس ہوا کہ راقم الحروف کی اس سعی کو علامہ اقبالؒ کے مدراس کے سات لیکچروں کے ساتھ مماثلت پیدا ہو گئی ہے جو اس فقیر کی علامہ اقبالؒ کے ساتھ محبت کی غمازی کرتی ہے۔

جن درسوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان میں تخلیقِ کائنات، حضرت آدمؑ کا نزولِ دنیا، انسانی زندگی کی غرض و غایت، مختلف عبادات کی ادائیگی کا مقصد، طریقت کا احاطۂ تصرّف، بیعت کی ضروریات اور روحانی کمالات کے حاصل کرنے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ مگر زیرِ نظر کتاب میں صرف طریقت اور بالخصوص بیعت کے متقاضیات اور علوم کا خلاصہ شامل کیا گیا ہے تاکہ وہ تمام احباب جو ان درسوں کی سماعت سے محروم رہے اس کتاب کے پڑھنے سے مستفید ہو سکیں۔

اس کتاب کی ایک بہت بڑی غایت یہ بھی ہے کہ سالکینِ راہ طریقت جو عام طور پر سلوک سے

مکمل لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ بیعت کے بعد عمل میں لانے والے ضروری اسباق پر عمل کرنے کی تربیت حاصل کر سکیں گے۔ ان سات درسوں پر مشتمل ویڈیو فلمیں بھی تیار کی گئی ہیں جو ادارۂ تبلیغ و ترویج اسلام لاہور سے قیمتاً یا مستعاراً حاصل کی جا سکتی ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب سے وہ عوام النّاس بھی استفادہ حاصل کر سکیں گے جو طریقت کے عملی علوم کو حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روحانی علوم کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقرالعباد

عبداللطیف خان نقشبندی

خلیفہ "مجاز" پیر علامہ حضرت علاؤالدین صدیقی غزنوی، سجادہ نشین، نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

انتساب

بنامِ حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
وجملہ خواجگانِ نقشبند
از

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ و مخدومِ من حضرت علامہ پیر علاؤ الدین صدیقی غزنوی مدظلہ، سجادہ نشین، دربار نیریاں شریف، تراڑ خیل، آزاد کشمیر اور اِس فقیر کے درویش والدین رحمہ اللہ علیہما جن کی فیض رس نگاہوں نے مجھے ملت و قوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادم الفقراء

عبداللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات، لاہور

ای 7/1اے، ایکسٹینشن ذوالفقار سٹریٹ کیولری گراؤنڈ

لاہور چھاؤنی، فون: 6665475-6666631

تشکّر

میں اس کتاب کی تکمیل پر اپنے دست راست، جناب عاصم مجید خان ڈی سی کسٹمز کا انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے نہایت جانفشانی، تندہی، مسلسل جدوجہد اور انتھک کاوشوں کے ساتھ اس کتاب کی تخلیق، تحریر، طباعت اور اشاعت کے ہر مرحلہ پر میرا ہاتھ بٹایا۔ حقیقتاً میری تمام کاوشوں کی کامیابی کا سہرا آپ کے کلاہِ پُر تعظیم کے لائق ہے۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ موصوف مزاجاً صوفی منش، پُروقار، محنت کش، ایماندار، عبادت گزار اور وابستۂ طریقت ہونے کے باوجود ایک قابلِ اعتبار، باصلاحیت سی۔ ایس۔ ایس آفیسر بھی ہیں۔ عزم و ہمت کے سپہ سالار، عظیم شخصیت کے مالک یہ درویش صفت آفیسر، بااخلاق، منکسّرۃ المزاج اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو سموئے ہوئے ہیں۔ آپ کو اسلامی علوم پر مکمل دسترس اور روحانی اسرار و رموز سے وافر آشنائی حاصل ہے، جو اس دور کے نوجوانوں میں شاید اور باید ہی نظر آتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی یہ جواں سال مجاہد اور درویش صفت انسان، قلندرانہ اداؤں کے ساتھ دنیائے روحانیت پر ایک لازوال اور رخشندہ ستارے کی صورت میں نمودار ہو گا جس کی روشنی دور دور تک پھیلتی ہوئی نظر آئے گی۔ خدا انہیں نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور عمرِ جاوداں نصیب فرمائے۔ آمین

عبداللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور

ای - 1/7، اے - 1، توسیع ذوالفقار سٹریٹ

کیولری گراؤنڈ، لاہور چھاؤنی

فون: 6665475-6666631

نعت رسول مقبولؐ

(از مصنف)

یا حبیبِ خدا کیجئے یہ کرم

اے رسولِ خدا آپؐ کا ہے کرم　　ہم فقیروں کو بخشا جو ذوقِ اتم
یہ سعادت ہے بس آپ کے دم قدم　　کہ ملا ہم کو ہی شرفِ خیرالامم
بائیدش قربِ تو در جہاں، در ارم
یا حبیب خدا، کیجئے یہ کرم

بخشش و رحمتِ حق کی بھر مار ہے　　جس جگہ آپؐ کا عالی دربار ہے
ہے جہاں ذاتِ باری کا نافذ حکم　　ہیں وہیں آپؐ کی رحمتیں دم بدم
رحمتِ حق ہمارا بھی رکھ لیں بھرم
یا حبیبِ خدا، کیجئے یہ کرم

کیا کریں لوگ سب دیں سے بیزار ہیں　　ہر جگہ پر مسلمان ہی خوار ہیں
دنیا بھر میں یہ مفلس ہیں نادار ہیں　　بکشا دستِ شفقت اے شاہ حرم
آج امت کے کر دیجئے دور غم
یا حبیبِ خدا، کیجئے یہ کرم

آپؐ محبوبِ حق، عالی سرکار ہیں　　نائبِ حق ہیں، قدرت میں بسیار ہیں
اصلِ دیں آپؐ ہیں، آپؐ مختار ہیں　　آپؐ ہیں صاحبِ لطف و جود و کرم
دور فرما بہ.ما سختیٔ بیش و کم
یا حبیبِ خدا، کیجئے یہ کرم

آپؐ کے خوشہ چیں ہیں زمان و زمیں　　آپؐ کے دان میں کچھ کمی بھی نہیں
آپؐ کی رحمتیں سب پہ ہیں بالیقیں　　لیں گے ہم آپؐ سے ہی خدا کی قسم!
آج ہم سب کے کر دیجئے دور غم
یا حبیبِ خدا، کیجئے یہ کرم

عرض آخر میں کرتی ہے سب کی نگاہ   ہم بھی دیکھیں کبھی آپؐ کی بارگاہ
یہ لطیفؔ آرزو ہے رسولِ خدا   سبز گنبد کو سجدہ کرے چشمِ نم

بلکہ سجدے کرے آنکھ ہر ہر قدم
یا حبیبِ خدا، کیجئے یہ کرم

نتواں گفت باتو زحال زمن   برھم از زیر و بالا، ہمہ انجمن
نظر فرما بما و کشا کارِ من   می زنی بارِ امت اگر برسرم

بازدہ زورِ حیدر بہ بال و پرم
یا رسولِ خدا کن بہ ما ایں کرم

منقبت

(از مصنّف)

به درگاهِ عالیه، امامِ ارباب ولایت و طریقت، حاملِ اسرار حقیقت، علیٰ قدمِ انبیاء به سیرت، صاحبِ مجاہدات، معارف و بصیرت، خواجۂ خواجگان حضرت قبله باوا جی صاحب، محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اے از جلالِ کبریا شد ذات تو ولی — وز نورِ عشقِ مصطفیٰ اوصافِ تو جلی

اے قاسمِ فیوضِ علا، پیرِ نقشبند

از تو فروغِ ملّت و توقیرِ نقشبند

تو راہنمائے دیں و رہ منزلِ حجاز — علم و حضور و معرفت از نامِ تو بلند

آں نسبتِ صدیق کہ حاصل بود ترا — در خواجگان بود تو خواجۂ ارجمند

حقّا کہ حاصل از تو شود عشقِ مصطفیٰ — غافل نہ شد، از رازِ ایں مردانِ ہوشمند

تو داد طالباں را احوال ذوق و شوق — گم راہ قوم را تو کشی از طریقِ پند

در ملکِ ما حکومتِ افرنگ گرچہ بود — لیکن اے مردِ حرّ! تو نہ مانی بہ قید و بند

یک نظرِ تو فرنگ را باشد پیامِ موت — بر قومِ مومناں تو کریم و رحیم و قند

اذہانِ ما بہ سلسلۂ خود تو بستہ

از تو بکار آید، ایں زنجیر، ایں کمند

زہد و طریق میں کوئی تجھ سے بڑا نہ تھا — تو تھا سراپا عشق ترا دوسرا نہ تھا

لاکھوں کا فیض رس کوئی زمزمہ نہ تھا — آقا تمہارے فیض کا کچھ منتہا نہ تھا

جامع کرامتوں میں فقط تو تھا ہند میں — خورشید ترے کرم کا ڈوبا چھپا نہ تھا

دنیا و دیں کی دولتیں اور قربِ ذاتِ حق — کیا تھا کسی کو در پہ جو تیرے ملا نہ تھا

ہمدم تمہارے راز کے اک مہرؓ و شیرؒ تھے — ان سب کا سر فرنگ کے در پر جھکا نہ تھا

رخشندہ آج بھی ہیں نقوشِ قدم ترے — جو نقش تو نے کر دیا دل سے مٹا نہ تھا

قاسم دلوں میں جاگزیں اُس وقت تھے لطیفؔ
جب در عقیدتوں کا ابھی تک کھلا نہ تھا

پرورده ام بہ فیضِ تو اے شاه دل پسند
مارا خراجِ حسن بہ عشق تو داده اند

مُد مستفیض، یک جہاں از فیضِ نیریاں
ایں عاشقانِ پاک ، شرابِ تو می دہند

اے مسلمِ بے‌راه، در آسوئے عاشقاں
انکارِ عاشقاں روا است با تو چند

فیضانِ مرشداں ہمہ جا کہ مطلق است
آں جا کہ فیضِ اوست بود ہر کجا بلند

جز عشقِ کاملاں نہ رود میلِ عاشقے
وائے بہ او کہ در دلے دارد نہ رایں کمند

منقبت

(از مصنّف)

بہ درگاہِ خواجۂ خواجگان، آشنائے رموز و اسرارِ ربّانی، منبعِ فیوضِ یزدانی، حضرت قبلہ عالم خواجہ غلام محیّ الدّین نیروی رحؒ.

اے مردِ مجاہد! اے نیروی سلطان
کوہساروں میں صحراؤں میں سب تیرا ہے فیضان

الفاظ و معانی کوئی زیبا نہیں تجھ کو
مظہر تیری تربت کا ہے گنجینۂ عرفان

میخوار تھے تیرے سبھی سرمست و خرد مند
تھا فیض تیرا زود اثر ، پختہ و آسان

ہر کفر کی یلغار میں تو سر بہ کفن تھا
شیدائی ترے سب ہی تھے اسلام پہ قربان

سرکارِ دو عالم کا یہ اکرام ہے تجھ پر
انساں تیرے دربان ، فرشتے تیرے دربان

وہ راز کہ جو کشف کے ساغر میں نہ آئے
کھل جاتا ہے در پر تیرے بے دامِ پریشان

یاد آتا ہے جب دورِ خلافت مجھے تیرا
ہے جلوۂ قاسمؒ سے ضیا خیز تیری شان

ملت کے یہ سرچشمے کبھی بند نہ ہوں گے
سیراب ہیں اس زمزمہ سے اب بھی مسلمان

اس بات میں اثباتِ حیاتِ ابدی ہے
فیضان جو باقی ہو تو مرتا نہیں انسان

نابینا یہ کہتے ہیں ، دھرا قبر میں کیا ہے؟
مومن کی قبر زندہ و تابندہ و برہان

ہے خواجگیؒ زندہ اگر آج وطن میں
یا ربّ تیرے اس نیروی بندے کا ہے احسان

اِس شہر وفا کا کوئی ہمسر ہے لطیفؔ اب
صد شکر، کہ صدیقی ہے، اِس مصر کا کنعان

منقبت

(از مصنّف)

بحضور حضرت علاّمہ علاؤ الدّین صدیقی نقشبندی، سجادہ نشین، دربار عالیہ نیریاں شریف

ہو جس کے دل میں حسنِ مصطفےٰ کی آرزو مندی
وہ کرلے عشقِ نقشِ پائے صدیقی کی پابندی

یہاں سے قاسمی انوار اور فیضان ملتا ہے
یہی در ہے جہاں سے میں نے پائے راز الوندی

طلبگارِ خدا کے واسطے سجدوں کی بارش ہے
ہو اہل دل تو ملتی ہے طریقت کی حنا بندی

رضائے حق جو پا لیتا ہے وہ میرِ طریقت ہے
مرادِ مردِ مومن ہے نہ دُرویشی نہ خورسندی

مری خاکِ ازل شاید انہی کے خاکِ در سے ہو
دلاویزی انہی سے ہے، انہی سے میری دل بندی

خفا ہوں اس لئے میں رسم وراہِ دنیا والوں سے
خدا والوں سے ہے ناآشنا اِن کی خرد مندی

جھکے گا بس اُسی کا سر خدا کی بارگاہی میں
میسر ہو خدا والوں کی جن لوگوں کو فرزندی

خدا والوں کی طبقاتِ فلک میں سیر ہوتی ہے
یہ جبرائیلؑ سے کرتے ہیں مل کر آشیاں بندی

جو منکر ہے طریقت کا، وہ محرومِ کرم ہو گا
کہاں لے جائے گی اُن کو ولی سے دور افگندی

جہاں والوں کی خدمت ہی لطیفِ عینِ تصوّف ہے
یہی ہے راز عظمت کا، یہی دینِ خداوندی

عطا صدیقؓ کی ہو گی انہیں، ہیں یہ بھی صدیقی
بٹے گی ان کے ہاتھوں سے محمدؐ کی رضا مندی

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے

عبداللطیف خان نقشبندی

نہ سجدہ ریزی سے پیدا، نہ عقد و حل سے ہوتی ہے
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے

ٹھکانہ اہلِ دردِ دل بہت کاوش سے ملتا ہے
جو مل جائے تو نسبت پھر کہیں منزل سے ہوتی ہے

سمندر میں گرے دریا، یہ اس کی بے کرانی ہے
یہ دوری باہمی، ساحل کی پھر ساحل سے ہوتی ہے

عبث کرتا ہے تو ہنگامۂ زھد و ورع پیدا
بساطِ دل کی رونق مرشدِ کامل سے ہوتی ہے

کٹے گو عمر ساری بے ریا سجدوں کی تابش میں
عقیدت وہ عطا ہے جو کہ دل کو دل سے ہوتی ہے

نہیں اس کا تعلق مال و زر سے، علم و دانش سے
یہ آویزش ہے حق کی جو سدا باطل سے ہوتی ہے

ہوا کرتا ہے اکثر ہی ثریا پر مقام اس کا
اگرچہ نسبتِ انسان، آب و گل سے ہوتی ہے

عطا کر دیتے ہیں وہ رمزِ ایماں اپنی نظروں سے
کرم کی بات ان کی یوں کسی سائل سے ہوتی ہے

وہ دریا، کہ نہنگوں کے جہاں صدہا مساکن ہوں
مری امید وابستہ اُسی ساحل سے ہوتی ہے

محمدؐ اپنی محفل میں صدا تشریف لاتے ہیں
کسی محفل کی جاں تو صاحبِ محفل سے ہوتی ہے

وسیلہ ذکرِ حق کا ذکرِ محبوبِ خدا ہی ہے
ہماری گفتگو یوں لیلیٰ محمل سے ہوتی ہے

خدا کے ملک میں نافذ کرے جو حکم اللہ کا
حکومت اس طرح کی حاکمِ عادل سے ہوتی ہے

شمارِ اللہ اللہ سے ہمیں ہوتا ہے جو حاصل
طریقت میں بقا اپنی اسی حاصل سے ہوتی ہے
نہیں تنہا لطیفؔ افکار کی اس وادیٔ دل میں
حضوری اپنے دل کی احمدِ مرسلؐ سے ہوتی ہے

شجرہ شریف

(از مصنّف)

سلسلۂ نقشبندیہ بہ مناسبت، پیر عبداللطیف خان نقشبندی، خاکپائے آستانہ عالیہ نیریاں شریف

یا الٰہی خستہ حالم، رحم کن برحالِ ما ۔۔۔ اِتقّا دارم زفضلت نیست جز تو والِ ما

(یاالٰہی میں خستہ حال ہوں، ہمارے حال پر رحم فرما) (میں تیرے فضل پر ہی تقویٰ کرتا ہوں، تیرے سوا ہمارا کوئی پرسان حال نہیں)

التجا دارم بہ درگاہت بنامِ مصطفےٰؐ ۔۔۔ کاں بود احمدؐ، محمدؐ در صفات و در عطا

(میں آپ کی بارگاہ میں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے التجا کرتا ہوں) (کیوں کہ وہ صفات اور عطا کے اعتبار سے احمدؐ اور محمدؐ ہوئے ہیں)

دستِ او گیرم کہ دستِ خویش اوُ را گفتہ ای

(میں ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں کیونکہ ان کے ہاتھ کو آپ نے اپنا ہاتھ کہا ہے)

زیں سبب گفتہ نہ باشد دستِ او از تو جدا

(اس سبب سے انکا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے جدا نہیں کیا جا سکتا)

حضرتِ صدیق و سلمان، قاسم و جعفر دگر ۔۔۔ بایزید و خواجۂ ما، بوالحسن خورشید فر

(حضرت صدیقؓ اور سلمان و قاسم و جعفر کے علاوہ) (بایزیدؒ اور ہمارے خواجہ ابوالحسنؒ جو خورشید کی شان والے تھے)

بو علی بحرِ عطا، بویوسف ابرِ مکرمت ۔۔۔ عبدِ خالق عارف و محمود، شاہ دادگر

(بو علی فارمدی عطاؤں کا خزانہ اور یوسف ہمدانی ابرِ فضل و کرم ہیں) (عبدالخالق، عارف اور محمود شاہ عدل کرنے والوں کے بادشاہ تھے)

بحرِ کرم رامیتنی، بابا سماسی و کلال ۔۔۔ نقشبند، عطار و چرخی، عشق را تیغ و سپر

(علی رامیتنی، بابا سماسی اور امیر کلال) (اور بہاؤالدین، عطارؒ اور یعقوب چرخیؒ عشق کے لئے تلوار اور ڈھال تھے)

پس عبید اللہ و زاہد خواجہ درویشِ اجل ۔۔۔ خواجہ امکنگی و باقی باللہ آمد خوب تر

(خواجہ عبید اللہ اور محمد زاہد درویشِ اجل کے بعد) (خواجہ امکنگی اور باقی باللہؒ بہت خوبیوں والے تھے)

پس مجددؒ عروۃ الوثقیٰؒ و شاہِ شاہ حسین ۔۔۔ خواجہ عبدالباسط و شاہ عبد قادر دیدہ ور

(حضرت مجددؒ عروۃ الوثقیٰ اور شبہ شاہ حسین کے بعد) (خواجہ عبدالباسط اور عبدالقادر آنکھ والے تھے)

فغنوی محمود خواجہ، اولیاء عبداللہ شاہ
(خواجہ محمود فغنوی اور خواجہ عبداللہ شاہ)

شاہ عنایت، حافظ احمد، والیانِ بحر و بر
(شاہ عنایت" اور حافظ احمد بڑا مولی" بحر و بر کے ولی تھے)

فخر ہند، عبدالصبور و گل محمد، شاہ غفور
(عبدالصبور اور گل محمد کنگال" فخرِ ہند تھے)

خلق را عبدالجید، عبدالعزیز، آمرد گر
(اور پوری مخلوق کے لئے عبدالمجید اور عبدالعزیز دین کی تلقین کرنے والے تھے)

خواجہ سلطان الملوک و آں نظام الدین شہ
(تمام ملکوں کے بادشاہ خواجہ نظام الدین شاہ")

خواجہ قاسم ہادیٔ ہند و جہاں را راہبر
(اور خواجہ قاسم" موہڑوی جو ہندوستان اور پورے جہاں کے راہبر تھے)

زاہدِ کامل محی الدین شاہِ نیروی
(زاہدِ کامل حضرت غلام محی الدین شاہ نیروی نے)

داد علاؤالدین جہانِ عشق را کامل نظر
(خواجہ علاؤ الدین کو جہانِ عشق میں کامل نظر عطا فرمائی)

یا الٰہی رحم کن بر ما طفیلِ آں شہاں
(یاالٰہی ان تمام اولیائے کرام کے صدقے ہم سب پر رحم فرما)

لطف فرما برلطیفؔ و دوستاں شام و سحر
(عبداللطیف اور ان کے دوستوں پر شام و سحر اپنا لطف و کرم فرما)

تاثّرات

(از حضرت علاّمہ پیر علاؤ الدین غزنوی، سجادہ نشیں دربار عالیہ نیریاں شریف، تراڑ خیل)

پیر عبداللطیف خان نقشبندی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بیعت کی حیثیت اور افادیت پر "بیعت کی تشکیل اور تربیت" کے نام سے ایک ایسی کتاب تصنیف کی ہے جس کے باعث طالبانِ راہ حق کے لئے ایک نئے انداز سے طریقت کی تعلیم اور تشہیر کا آغاز ہوا ہے۔ اس کتاب میں وابستگانِ طریقت کے لئے مکمل راہنمائی موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ منکرینِ طریقت کے شکوک اور اوہام کے رفع کرنے اور ان کے دلوں میں جاگزیں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا ہے۔

بنیادی طور پر یہ کتاب راہِ طریقت کے اُن مسافروں کے لئے. جو مبتدیان طریقت اور متوسطین طریقت میں شمار ہوتے ہیں، مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان لوگوں کے لئے. جو پورے عزم کے ساتھ طریقت کی راہوں پر گامزن ہونے کے لئے بے چین ہیں. مگر مناسب راہنمائی میسر نہ ہونے کے باعث اپنی تسکین کا سامان مہیا نہیں کر سکتے. یہ کتاب اُن کو بھی اپنی منزل کی طرف کشاں کشاں لے جائے گی۔

اس فقیر کے ذہن میں ایک عرصہ سے یہ خواہش موجزن تھی کہ مریدین کی تربیت کا کوئی خاطر خواہ نظام قائم کیا جائے لیکن دور دراز کے فاصلوں پر رہنے والے مریدین کی کثرت اور ان کی عدیم الفرصتی کے سبب ایسا کوئی قدم اٹھانا دشوار نظر آرہا تھا جب کہ میں خود بھی ایک اسلامی یونیورسٹی کی تشکیل کے لئے شب و روز مصروف رہا۔ ہدایت اور تربیتِ مریدین کا محض ایک طریقہ جو بعد ازیں مجھے محسوس ہوا وہ یہ تھا کہ رفتگانِ راہِ طریقت کے دلوں میں ذوق و شوق کو بیدار کرنے کے لئے ایک ایسی جامع تصنیف تیار کی جائے جس سے پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں منتشر تمام مریدین کو آدابِ طریقت سے باخبر کیا جا سکے۔ آج اس کتاب کو دیکھ کر میں روحانی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ پیر عبداللطیف خان نے بغیر میری طرف سے کوئی واضح اشارہ پانے کے اس فقیر کی دیرینہ آرزو کو عین اُن خطوط پر استوار کیا ہے جو میری خواہشات سے کافی حد تک مطابقت کا درجہ رکھتی ہے۔ امید ہے کہ تشنگانِ راہِ طریقت کے لئے یہ کتاب خضر راہ ہونے کا درجہ حاصل کرے گی۔

مصنّفِ کتاب ہٰذا کو پاکستان میں دینی خدمات کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے مضامین مختلف اخبارات میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ گزشتہ ۳۰ سال سے خفتگان ملت کی بیداری کے لئے مکمل سعی سے وابستگی کے حامل ہیں اور آپ نے اپنی متعدد تصانیف میں بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو شاہراہِ اسلام پر لانے کی انتھک کوششیں کی ہیں۔ یہ کتاب بھی آپ کی اُن کوششوں کے سلسلے کی ایک کڑی ہے اور امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے دلوں میں احساسِ بیداری، منزل کی طرف بڑھنے کی لگن اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا سبب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام مریدین کو اس کتاب سے مکمل استفادہ حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائے اور مصنّف کے دینی اور دنیاوی بلندیٔ درجات کا سبب بنے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارکۃ تعالیٰ خان صاحب کو اسلام کی مزید خدمات انجام دینے کے لئے درازی عمر عطا فرمائے۔ آمین!

یکم محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
بمطابق ۱۲ر جون، ۱۹۹۴ء

نیک تمناؤں کے ساتھ
پیر علاؤ الدّین صدیقی غزنوی نقشبندی
سجادہ نشین، دربار عالیہ نیریاں شریف تراڑ خیل، آزاد کشمیر

بیعت کی حیثیت اور افادیت

حیثیتِ بیعت

تمام صوفیائے کرام نے بیعت کو سنت قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اسے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کیا ہے۔ کچھ مشائخ کے مطابق بیعتِ اسلام سنت ہے جبکہ بیعتِ ہجرت فرض، بیعتِ جہاد واجب اور بیعتِ طلب الاسرار اور بیعتِ توبہ مستحب ہے۔

سرّ دلبراں میں ہے کہ خلافت راشدہ میں سلطنت کی وسعت کے باعث بیعت کا سلسلہ ترک کر دیا گیا تھا اور بنو امیّہ اور عبّاسیہ میں بھی حکمرانوں کی لاپرواہی سے بیعت کا سلسلہ متروک رہا۔ مگر صوفیائے کرام میں بیعت اور خرقہ پوشی کا سلسلہ جاری رہا۔ جب ملوک اور سلاطین سے بیعت متروک ہو گئی تو صوفیاء نے اس مردہ سنت کو زندہ کیا۔ احادیث سے یہ بات ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقاصد کے لئے بیعت لی۔

دورِ حاضر اور بیعت

زمانوں اور ادوار کے گزرنے کے ساتھ ساتھ احوال اور اعمال میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایسے زمانے سے گزر رہے ہیں جبکہ ایک طرف ایک گروہ نے دشمنان اسلام کی خواہشات کی تکمیل کے لئے تصوّف کے خلاف محاذ آرائی قائم کر رکھی ہے اور دوسری طرف نااہل لوگوں نے تصوّف کی صورت کو مسخ کر دیا ہے. جن کو دیکھ کر ایک معمولی عقل والے انسان کے دل میں بھی بیعت کے خلاف جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ تصوّف کو مسخ کرنے کے بعد یہ بات بھی مشہور کر دی گئی ہے کہ جب ہمارے پاس راہنمائی کے لئے قرآن اور حدیث موجود ہے تو پھر کسی اور راہنما کی کیا ضرورت ہے۔ عوام الناس میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اس مسخ شدہ تصوّف کو دیکھنے کے بعد اس کی اصلاح کی طرف کوشش کرنے کی بجائے خود بھی تصوّف کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں حقیقی اہل تصوّف کو بھی شکوک کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام کی سازش کامیابی کی حدود تک پہنچ چکی ہے اور ان کے ایماء پر چند علماء نے بھی بیعت کے خلاف فتوے، جاری کر دیئے ہیں۔ ان خیالات کی تشہیر کے بعد آج ایک بہت بڑا گروہ کھلے بندوں یہ عقیدہ قائم کر چکا ہے کہ قرآن اور سنت کی موجودگی میں بیعت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں رہتی۔

سیدھے سادھے عوام پر مخالفین کا حملہ

ہمارے سیدھے سادھے عوام مخالفینِ بیعت کی مذکورہ بالا باتیں سن کر اپنی لاعلمی کے باعث مطمئن ہو جاتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ان کی عقلیں اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہر زمانے میں ہر کتاب کے ساتھ ایک نبی یا رسول بھی ارسال کیا جاتا رہا ہے اور جب نبوت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵ میں انبیاء کے قائم مقام ہر دور میں ایک ہادی بھیجنے کا قرآن میں وعدہ فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک ہم کوئی اپنا بندہ نہ بھیجیں گے تو ہم کسی قوم پر کوئی عذاب نہ نازل کریں گے۔ اس بندے کے بھیجنے سے اسکول اور کالجوں کا عام استاد مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ہادی برحق وہ ہوتا ہے جو انبیاء کا جانشین ہو اور لوگوں کی روحانی تعلیم کا بیڑا بھی اٹھا سکے۔ عام استادوں کو تو خود روحانیت کی الف اور با کا علم نہیں۔ اگر اس زمانے میں صرف قرآن اور حدیث کو کسی کے سامنے رکھ دیا جائے اور کسی ہادی یا رسول کو بھیجنے والی آیت کو قرآن سے حذف کر دیا جائے تو یقیناً یہ مسلمانوں پر اور خود قرآن پر ظلم کے مترادف ہو گا۔ قرآن میں جا بجا اور احادیث میں متعدد بار سچے لوگوں کے ساتھ ہونے، ان کو اللہ کی طرف وسیلہ پکڑنے، اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا ذکر آیا ہے۔ قرآن اور احادیث میں ان لوگوں کو شیطان کا مرید کہا گیا ہے جو نیکو کار اولیاء کی صحبت سے دور رہتے ہوں۔

یہ معاملہ کس قدر عام فہم ہے کہ بیعت نہ صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہے بلکہ خلفائے اربعہ کے علاوہ بھی اس کو مسنون جان کر جاری رکھا گیا۔ اگر دشمنان اسلام کا اس میں ہاتھ نہ ہوتا تو یہ کج فہم لوگ بیعت کی مخالفت کیوں کرتے جبکہ اس میں خلاف شرع بھی کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ لوگ جو آج تک بیعت کو جائز قرار دیتے آئے ہیں وہ اس قدر بلند ہیں کہ ان میں سے کسی پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ یہ لوگ بیعت کو غیر ضروری اور غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاؒ، فریدالدین گنج شکرؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسے ہزاروں بلند مقام اولیائے کرام کے چہروں کو مسخ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے بلکہ بیعت کا انکار تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ایسے گمراہ کن لوگوں سے متاثر ہو کر ہمارے عوام اپنی کم علمی کی باعث اولیائے کرام کی مخالفت کرتے ہوئے بیعت سے گریز کرنے لگے ہیں۔ لوگوں کو بیعت کے اغراض و مقاصد نیز روحانی ترقی کے مسائل سے مکمل ناآگہی ہوتی ہے لہٰذا آسانی سے گمراہ کن لوگوں کی اتباع کرنے لگتے ہیں۔

اس تحریر سے آفادہ کی صورت

یہ تحریر اولاً تو ایسے لوگوں کے لئے پیش کی جا رہی ہے جو بیعت کے ذریعے بسر کی

جانے والی نہایت اعلیٰ اور ارفع طرزِ زندگی سے ناآشنا ہیں اور ثانیاً ان لوگوں کے لئے جو بیعت کرنے کے قائل تو ہیں مگر اس سے کماحقہ افادیت حاصل نہیں کرتے، یہ رسالہ اس لئے بھی لکھا جارہا ہے کہ اکثر مرید بیعت کے ذریعے ملنے والے فوائد اور کمالات سے کُلِیَتہً ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لاعلمی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے بیعت کے لوازمات اور معلومات کو حاصل کرنے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی۔ اس تحریر کے ذریعے ان کی توجہ کو بیعت میں موجود متعدد کمالات کی طرف رجوع کیا جارہا ہے تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انہیں طریقت کی راہوں سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

اس تحریر میں طریقت کی چیدہ چیدہ اصطلاحات اور علوم کی نشاندہی کی جارہی ہے تاکہ خواہش مند حضرات اس کی تکمیل کے لئے مناسب کتابوں سے رجوع کریں اور مشائخ سے ان معاملات کا حل طلب کریں جو ان کی فہم سے بعید ہیں۔ اس سلسلے میں طریقت کے معاملات کو خاصی وضاحت کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ راقم الحروف کی ایک کتاب جو عنقریب "اسلام اور روحانیت" کے نام سے شائع ہونے والی ہے، کا مطالعہ کافی سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ جو لوگ طریقت پر چلنے کے قائل تو ہیں مگر اپنی لاپرواہی کی وجہ سے اس میں بیش رفت حاصل نہ کر سکے ان کے لئے گزارش ہے کہ وہ طریقت کو ایک کھیل سمجھ کر اختیار نہ کریں بلکہ اس کو ایک بہت بڑی ذمہ داری سمجھ کر اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو جائیں۔ یاد رکھیں کہ آج تک جن لوگوں نے اس راستے کو اپنایا وہ انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہو گئے۔ اس طرز سے اپنی زندگی بسر کرنے والے کامیاب لوگوں کے نام آج بھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کیونکہ خدا کے یہ محبوب حیاتِ جاوداں حاصل کر چکے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اب ہم میں موجود نہیں مگر وہ اپنی قبروں میں آج بھی زندہ ہیں اور لوگوں کی راہنمائی کر رہے ہیں۔ (جیسا کہ معین الدین چشتیؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ سے ان کی زندگی کے بعد ان کی قبر پر چلہ کشی سے اکتسابِ فیض کیا)۔

جو لوگ طریقت کی شاہراہ پر کامیابی سے گامزن نہ ہو سکے وہ طریقت میں ناکارہ رہے اور طریقت کے نام پر بدنما داغ ثابت ہوئے ہیں۔ جو لوگ طریقت کو اختیار کر کے بھی کچھ نہیں کر سکتے، ایسے لوگ اہل طریقت کو بدنام کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے طریقت پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے انہیں چاہیئے کہ وہ پوری طرح طریقت میں داخل ہو جائیں اور اس کا حق ادا کریں۔ مریدین کے لئے ضروری ہے کہ اس کتاب میں موجود اشارات کے مطابق طریقت کے لوازمات کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں یا پھر خود کو طریقت کے دائرے سے باہر تصور کریں کیونکہ ایسے بے عمل مریدوں کو طریقت قبول نہیں کرتی۔

بیعت کیوں کی جاتی ہے

(وضاحت)

بیعت کا مقصد اور افادیت

بیعت ایک عہد نامہ ہے۔ اپنے جان و مال کو جو خدا کی ملکیت ہے اور جس میں مرید کو کوئی حق نہیں، خود کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا ہی اصلِ بیعت ہے۔ جو لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ساری زندگی سرکشی میں گزار دیتے ہیں ان کو کبھی اپنے رویے پر ندامت ہو تو توبہ کر لیتے ہیں اور اپنی اصلاح کے لئے کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں ورنہ عمر بھر نافرمانی میں گزار دیتے ہیں۔ اس طرح ندامت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لینے کو ہی بیعت کہا جاتا ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۱ میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے جان و مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ یہ خرید و فروخت کسی برگزیدہ شخص کی وساطت سے ہوتی ہے جو اس مہتمم بالشان معاملے میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو۔ اس وسیلے کا ذکر سورۂ المائدہ کی آیت نمبر ۳۵ میں وابتغوا الیہ الوسیلۃ (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) کے الفاظ میں موجود ہے۔ بیعت اگرچہ کسی ولی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے لیکن یہ سلسلہ بہ سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اور خدا پر منتہی ہوتی ہے۔ اگر مرید اپنے عہد پر قائم رہے تو فائدہ حاصل کرتا ہے ورنہ توڑ دینے سے خسارہ مول لے لیتا ہے۔

کسی ولی اللہ سے بیعت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی اور ماسویٰ سے رغبت ہٹانا ہے۔ جس کے باعث مرید پر نورِ حق نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہ طریقت کی تمام اصطلاحات، رموز و اسرار، اشغالِ روحانیت اور اندرونی نجاستوں سے پاک ہونا سیکھتا ہے۔ مرید کو عشقِ الٰہی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہونے کے ساتھ مشاہدہ شروع ہونے لگتا ہے، گویا مرید ایک چیزِ دیگر بن جاتا ہے۔

بیعت میں طریقت کے اعتبار سے مرید کی تربیت کی جاتی ہے۔ ادب سکھانا، اپنی ذات کی صفائی کرنا، رذائل کو دور کرنا، نفس اور روح کی تطہیر کرنا، سرِّ خداوندی کا متحمل ہونا، اخلاق کا مہذب ہونا، وصل الٰہی کا حاصل کرنا بیعت کے مقاصد میں شامل ہے۔ مرید بالآخر تلاشِ حق اور مقامات فتح حاصل کرنے کے بعد پیر کے نور کا وارث بنتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے مرید کے لئے آٹھ شرائط تجویز کی ہیں (۱) دوام وضو اور عبادت (۲) دوام صوم (۳) دوام سکوت (۴) دوام خلوت (۵) دوام ذکر (۶) دوام نفی خواطر (برے خیالات کی نفی کرنا) (۷) دوام ربط قلب باشیخ اور (۸) دوام ترک اعتراض الی اللہ۔

مجددی سلوک کا مقصود

حضرت مجددّ الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو سوچنا چاہیئے کہ اس کی عمر کا بہتر اور قیمتی حصہ ہوا و ہوس اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی رضامندی میں گذر گیا ہے اور عمر کا باقی حصہ جو رہ گیا ہے اگر اس کو خدا کی مرضی کے مطابق صرف نہ کریں اور اس دنیا کی تھوڑی سی محنت کو ہمیشہ کے آرام کا وسیلہ نہ بنائیں اور اس طرح کمائی ہوئی تھوڑی سی نیکیوں کو پچھلی بہت سی برائیوں کا کفّارہ نہ بنائیں، تو کل کون سا منہ لے کر ہم خدائے تعالیٰ کے سامنے جائیں گے اور اس کے پاس جا کر کیا عذر یا حیلہ پیش کریں گے؟ قیامت کے دن اس غفلت کی روئی ہمارے کانوں سے نکالیں گے اور ہماری بینائی سے پردہ اٹھائیں گے تو سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ موت آنے سے پہلے ہی اپنا کام بنا لینا چاہیئے۔

حضرت مجددؒ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنا ہو تو اول عقاید کا درست کرنا ضروری ہے۔ دوسرے ان باتوں کا علم اور عمل ضروری ہے جو علمِ فقہ کو واضح کرتا ہے۔ تیسرے طریقہ صوفیاء کا سلوک بھی درکار ہے اس غرض سے نہیں کہ ہم غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ دنیا میں نظر آنے والی جتنی صورتیں ہم دیکھتے ہیں کیا یہ کوئی کم ہیں کہ کوئی غیبی صورتوں کی ہوس کرے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کی صورتوں میں عالم مثال کی نسبت انوار کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں، سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آجائیں۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں طریق صوفیاء، علومِ شرعیہ کا خادم ہے۔ اس سے احکام فقہ کے ادا کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور نفسِ امّارہ کی مشکل دور ہو جاتی ہے کیونکہ طریقِ صوفیاء میں استدلال و تقلید، کشف اور شہود سے بدل جاتا ہے (کشف سے جو شہود ہوتا ہے یقین کو زیادہ پختہ کر دیتا ہے اور شکوک و شبہات ختم ہو جاتے ہیں)۔ طریقۂ نقشبندیہ اس لئے بہت مناسب اور بہتر ہے کہ اس میں شریعت کی مخالفت کی بجائے متابعت کو لازم اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ متابعت کی دولت پر خوش ہیں خواہ طریقہ کے احوال سے ان کو کچھ بھی نہ حاصل ہو۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت و جماعت کے اعتقاد سے ہٹالیں تو ہم اسے سوائے خرابی کے کچھ نہیں جانتے۔ اگر اہلِ سنت کا اعتقاد ہمیں دے دیں اور احوال کچھ نہ دیں تو پھر کچھ غم نہیں۔ حضرت

مجدد علیہ الرحمہ ایک مکتوب شریف میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرید کو اتباعِ شریعت کے ساتھ ساتھ عقائد کی درستگی حاصل ہو اور اسے اپنے شیخ سے محبت ہو تو پھر کوئی غم کی بات نہیں۔ اعمال میں اگر کچھ کمی ہو جائے تو وہ قابلِ معافی ہو سکتی ہے مگر اعتقاد میں ذرّہ برابر خرابی ناقابل معافی ہے۔

ارادت کا افہام

قارئین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ارادت کیا ہے؟ ارادہ ہر چیز کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ پر چلنے کا نام ارادت ہے۔ چنانچہ جس میں یہ ارادت ہو وہ تصوّف کی اصطلاح میں مرید کہلاتا ہے۔ مرید وہ ہوتا ہے جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو (اَلْمُرِیْدُ لَایُرِیْدُ یعنی مرید کچھ نہیں چاہتا)۔

ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ارادت مرید کے لئے دل کی جلن یا دغدغہ ہے۔ یہ اس کے دل میں بھڑکتی ہوئی آگ، ضمیر میں عشق اور باطن کی بے چینی ہے۔ ارادت میں مجاہدوں کے وصف سے موصوف ہونا، باطن میں تکالیف کا برداشت کرنا، عبادت کے اوقات میں بستر سے الگ رہنا، دشوار کام کرنا، ہروقت مستعد (ہوشیار، چوکنا یا تیار) رہنا، تھکا دینے والے کام کرنا، اپنے اخلاق سے سے کشتی کرنا، بخوشی مشقتیں جھیلنا، خطروں سے بغلگیر ہونا اور ازدواجی حدود کے بعد ہم جنسوں سے الگ رہنا ہے۔

حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ارادت کی صفت پر تجلی نہ کرے تب تک وہ بندہ اہل اللہ کا سلوک طے نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کا مرید ہو سکتا ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ارادت کی صفت کی تجلی ضرور اس شخص پر کرتا ہے جس کا دل ارادت کی طرف خواہش یا تمنا رکھتا ہو کیونکہ بغیر طلب کے کوئی چیز عطا نہیں کی جاتی اور طلب وہی ہوتی ہے جو خلوص نیت سے اور دل کی گہرائیوں سے ہو۔

تصوّف کا مختصر تعارف

تصوّف کا لفظ قرآن میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ تصوّف کے معنوں میں حکمت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ غالباً یہ لفظ دوسری صدی میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ تصوّف کے معنی ہر نیک خصلت سے متّصف ہونا ہے اور تمام بری عادتوں کا دل سے تخلیہ کرنا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا "صوفی فانی زخویش اور باقی بحق ہے۔ ابوالحسن فرماتے ہیں 'صوفی صفا' سے ہے۔ ہر زبان میں صفا کے معنی محمود ہونے کے ہیں۔ حضرت نوریؒ کے نزدیک تصوّف حظِّ نفس کا ترک ہے۔ بہت سے صوفیا کے نزدیک تصوّف اخلاقِ راضیہ، اخلاقِ کریمہ، اخلاقِ حسنہ کا پایا جانا ہے۔ کچھ نے کہا کہ تصوّف ظاہر و باطن میں اللہ کا بس جانا۔ نفس کو حق تعالیٰ کے ارادے پر چھوڑنا، قلب کا مطمئن ہونا، سینے کا فراخ و کشادہ اور روشن ہونا اور باطن کا یادِ الٰہی سے آباد ہونا، تمام چیزوں سے بے پرواہ ہونا، بشری کدورتوں سے دور ہونا، مولا

دوستی اور دنیا دشمنی کا جذبہ پایا جانا، اور سختی سے شریعت کا پابند ہونا ہے۔ صوفیاء اپنے سامنے اسمٰعیل علیہ السلام کی تسلیم و رضا، داؤد علیہ السلام کا غم و اندوہ، عیسیٰ علیہ السلام جیسا فقر، ایوب علیہ السلام جیسا صبر، موسیٰ علیہ السلام جیسا شوق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اخلاق پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

بعض مشائخ کہتے ہیں کہ تصوّف تکلف کو ترک کرنا، قرآن اور حدیث کی روشنی میں راہ کو طے کرنا، ہر چیز پر اللہ کو ترجیح دینا، ہر وقت اللہ کی یاد سے دل کو آباد رکھنا، حقائق کی گرفت میں آنا، خلق سے مایوس ہونا اور بندے کے دل کا اللہ کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ قائم ہو جانے کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طریقت میرے اعمال، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے۔ چنانچہ طریقت کی دعوت حقیقت میں شریعت کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ نے کشف المحجو ب میں فرمایا ہے کہ جس نے اہلِ تصوّف کی دعوت سنی اور اسے نہ مانا تو وہ اللہ کے نزدیک غافلین میں لکھا جاتا ہے۔ حضرت امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ آپ نے اس علم کو "علم الاحوال القلب" سے موسوم فرمایا۔ حضرت شاہ عبدالحق ؒ نے امام مالک ؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے فقہ کے بغیر تصوّف حاصل کیا وہ زندیق ہے اور جس نے تصوّف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا تو وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں (فقہ اور تصوّف) کو ملا یا وہ محقق ہوا۔

بیعت نہ کرنے والوں کی حالت

مسلمانوں کی مجموعی دینی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نوّے (90) فی صد سے زیادہ لوگ صوم و صلوٰۃ کی زندگی سے محروم ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں میں بہت سے عیب پائے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کی زندگی چوپاؤں کی زندگی سے کم نہیں۔ ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو بیعت کے ذریعہ اپنی اصلاح کے متعلق سوچتے ہی نہیں۔ جو لوگ اپنی اصلاح نہیں کر پاتے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ قرآن اور حدیث کے ہوتے ہوئے بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ اگر وہ اپنے اس خیال میں سچے ہیں تو وہ قرآن اور حدیث پر عمل کرنے سے اپنی اصلاح کیوں نہیں کر پاتے۔ معلوم ہوا کہ قرآن اور احادیث کی افادیت تو اپنی جگہ پر مسلّم ہے لیکن قرآن اور حدیث پر عمل کرنے پر جب تک کوئی نیک ہستی رغبت نہ دے تو دین پر عمل پیرا ہونا مشکل بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ نے دین کی تعلیم کو جاری کیا اور لوگوں کو دین سکھاتے رہے۔ صرف قرآن کو نازل کر دینے کو کافی نہ سمجھا گیا۔ دین اسلام کے سکھانے والوں کو پیر نہ کہا جائے تو نہ سہی لیکن جو کام انبیائے کرام صحابہ کرام کرتے رہے وہی کام اب پیروں کے سپرد ہے۔ کیونکہ دین کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے اور کروانے والے یہی لوگ ہیں۔ کسی نے سچ کہا "اللہ اللہ کئے جانے سے اللہ نہ ملے، یہ اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں"۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو ماں باپ سے دینی تربیت نہ ملی اور نہ ہی وہ کسی مرشد کے فیض سے مستفیض ہوئے اور نہ ہی کسی نیک آدمی کی صحبت میں بیٹھے تو مذہب کے اعتبار سے ایسے لوگ مکمل طور پر کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ نہ توانہیں دین کی ابتدائی اور بنیادی باتوں کا علم ہے اور نہ ہی رموزِ اسلام سے آشنائی ہے۔ جب ہم ان کی لاعلمی کی کیفیت دیکھتے ہیں تو سر پیٹنے کو دل چاہتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی مسائل ان کے کانوں میں کبھی نہ پڑ سکے۔ ایسے لوگ رات دن لغویات میں مصروف رہتے ہیں اور ملک و قوم پر ایک بوجھ ہیں۔ یہی لوگ اگر کسی مرشد کی صحبت میں بیٹھتے تو دیندار ہو جاتے۔ ان بے دین لوگوں کی وجہ سے ہی دنیا کے تمام مسلم ممالک دوسرے ممالک سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور دنیا کی ترقی یافتہ قوموں سے پٹ چکے ہیں۔

وہ قوم جس کو نہ تو دنیا میں کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی وہ آخرت میں سرخرو ہونے کے قابل ہوئی تو دنیا میں کس طرح کوئی مقام حاصل کر سکتی ہے۔ مطلب براری، دھوکا دہی، فریب کاری، چوری چکاری جیسے عیوب جس قوم کے اکثر افراد میں پائے جاتے ہوں تو وہ اسلام کی طرف رغبت کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ان لوگوں کی اصلاح کے لئے کچھ تجاویز پیش کی جارہی ہیں جو دنیاوی مال و متاع سے بھی محروم ہیں اور جن کے لئے آخرت میں بھی سوائے محرومی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ قوم کے افراد کو اس تباہی کی حالت سے نکالنا ہم سب کی ذمہ داری ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ قوم کے نوجوانوں کو اگر اسلامی تربیت گاہوں سے دور رکھا جائے تو ان کی اصلاح کس طرح متصوّر ہو سکتی ہے۔ ایسے بے نصیب اور محروم لوگوں کے لئے اسلام نے صرف یہ علاج تجویز کیا ہے کہ وہ دینِ اسلام کی طرف رجوع کریں اور رجوع صرف اسی وقت ممکن ہے کہ اگر کوئی کسی کامل بزرگ کی صحبت میں آکر خود کو راہ راست پر لے آئے۔ مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے والے دنیا میں ترقی کے رازوں سے آشنائی حاصل کرنے کے علاوہ رموز و اسرار دین سے بھی کماحقہ آگہی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی صحبت کیمیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں شفا ہے۔ ان کے پاس نشست و برخاست کرنے والے محروم نہیں رہتے۔ جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسی ہستیاں انہی درس گاہوں سے نمودار ہوئیں اور آج بھی ان کے حلقہ جات سے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہم نے چند منٹوں میں کچھ لوگوں کو اپنی زندگیاں بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ان مشائخ کی صحبت میں داخل ہو کر اپنی زندگیوں میں زبردست انقلاب پیدا کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام نے قوم پر مشائخ کے دروازوں کو بند کر دینے کی کامیاب کوشش کی اور آج یہ عالم ہے کہ مسلمان بیعت کرنے کے تصوّر سے بھی نفرت کرتا ہے۔

بیعت کے بعد جن علامات کا ہونا ضروری ہے

اکثر مسلمان تو بیعت سے گریز کرتے ہیں اور کچھ لوگ رسمی طور پر بیعت تو کر لیتے

ہیں لیکن اس کے لوازمات کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے۔ چنانچہ ان کی روحانیت میں بیعت کرنے کا کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا۔ جو لوگ ذوق و شوق سے بیعت کرتے ہیں اور روحانیت کے قوانین کو ذہن میں رکھ کر اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو ایسے لوگوں میں حسبِ ذیل علامات پائی جاتی ہیں۔ اختصار کی خاطر چند نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔

بیعت کے بعد خوشی حاصل ہوتی ہے، دل کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سالک میں تزکیۂ اخلاق اور تقویٰ، صوم و صلوٰۃ کی پابندی، اللہ کی طرف رغبت اور رجوع، مجاہدے کے لئے طلب، قربِ الٰہی کا شوق، نفس کی کیفیت میں تبدیلی (امّارہ سے لوّامہ، مطمئنّہ راضیہ اور پھر مرضیہ) عبادت میں دل کا لگنا، خشوع و خضوع اور حضور قلب حاصل ہونے کا شرف پیدا ہونا ہے۔ اس کے علاوہ سالک کے قلب میں ذکر جاری ہو جاتا ہے اور کبھی دل کی دھڑکنیں محسوس ہونے لگتی ہیں۔ مذکورہ بالا کیفیات کے علاوہ سالکِ راہ طریقت کے لئے بیعت حاصل کرنے کے بعد اپنے شیخ سے رابطے کا قائم ہو جانا کامیاب بیعت کی دلیل ہے۔ مرید جہاں بھی ہو خواہ قریب یا بعید، وہ اگرچہ شیخ کے جسم سے دور ہوتا ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں ہوتا۔ رابطۂ شیخ اس وقت قائم ہوتا ہے جب مرید ہر وقت شیخ کو یاد رکھے اور اس سے استفادہ کرتا رہے۔ مرید کو جب کسی واقعہ کے کھولنے میں شیخ کی حاجت پیش آئے تو شیخ کو اپنے قلب میں حاضر مان کر بزبان حال سوال کرتا ہے اور اللہ کے حکم سے شیخ کی روح اس کو القا کر دیتی ہے۔ (بشرطیکہ ربط تام موجود ہو) شیخ کے قلب سے ربط کے سبب اس کے قلب میں گویائی پیدا ہو گی اور حق تعالیٰ کی طرف راستہ کھل جائے گا اور اس کو الہام ہونا بھی شروع ہو جائے گا۔ ایسے مرید کو محدّث کہتے ہیں جس کا قلب شیخ کے منور قلب کے ساتھ ربط میں کمال رکھتا ہو۔ جن لوگوں کو اپنے شیخ سے ایسا ربط حاصل ہو جائے تو وہ شیخ کی روح کی مدد سے بڑے بڑے کام آسانی سے کر لیتے ہیں۔

شیخ سے کامل نسبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کی ہر ادا مرید کے دل میں موجزن رہے۔ اس کا دل مجاہدات اور مشقت طلب کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ ایسے مرید اپنے دل میں سوزِ عشق کی گرمی محسوس کرتے ہیں۔ وہ جب چاہیں تو ان کی روح کو عروج حاصل ہو جاتا ہے اور عالمِ واقع میں آنے والی چیزوں کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سالک کو فنا اور بقا کی کیفیات کا حاصل ہونا سلوک کی راہ کو طے کرنے کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ نقشبندی سلسلے کے مطابق "نہایت کو بدایت میں درج کرنا" مرید کی صلاحیتوں میں شامل ہونا ضروری ہے۔ یہ مقام اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب مرید حسد، کینہ، خود پسندی، تکبّر وغیرہ کی تمام صفاتِ مذمومہ سے بالکل منزّہ ہو جائے اور جملہ عیوب سے مبّرا ہو جائے۔ خودی اور بے خودی کی نفی سے، بے خود اور بے خبر ہو جائے جیسا کہ بچے کی حالت ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ راہ سلوک میں اگر ایسی کیفیت ہو جائے جو بچے کی ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے تو یہ سالک کی دوسری پیدائش کہلاتی ہے۔ چنانچہ صوفی وہی ہوتا ہے جس کی پیدائش دو دفعہ ہو چکی ہو اور یہی عابد یا صوفی کا کمال ہے اور اسی ابتدائی حالت کا نمایاں ہونا نہایت کو پہنچنے کے

روحانی دنیا کے کمالات

(جو صرف طریقت سے ہی ملتے ہیں)

تصوّف کی دنیا کو روحانی دنیا بھی کہا جاتا ہے کیونکہ تصوّف سارے کا سارا روح کے تزکیہ کا نام ہے جس کے اثرات انسانی بدن پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اگر روح تندرست ہے تو بدن بھی صحت مند ہو گا۔ روحانی دنیا اُن خاص الخاص لوگوں کا انتخاب کرتی ہے جو اپنے لئے وہ کمالات پیدا کرنے کے خواہش مند ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کے لئے مخصوص فرمائے ہیں۔ کمالات حاصل کرنے کا جذبہ نہ تو عام قسم کے انسانوں کے ذہنوں میں آتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے بس کی بات ہے. لہٰذا ایسے لوگوں کو عام طور پر روحانی طرزِ حیات سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

روحانی دنیا کے طالبوں یا سالکین ِراہ طریقت کو ایسے امور کی تعلیم دی جاتی ہے جو عام طور پر دوسرے علماء کے دائرۂ علم سے بہت دور کی بات ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو وہ ان روحانی قوت والوں کے کمالات کی نچلی حدود کو بھی چھو نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت رکھنے والے بزرگوں اور علماء کا نام آج تک زندہ ہے جب کہ بہت سے دوسرے روایتی علماء کا کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں۔ ان دونوں قسم کے علماء میں فرق معلوم کرنا مطلوب ہو تو درج ذیل عبارت سے واضح ہو جائے گا کہ ان دونوں کے احاطہ علم و عمل میں کوسوں میل کا فرق ہے اور یہ روحانی لوگ باقی تمام مخلوق سے ہزاروں درجہ تفوق رکھتے ہیں علامہ اقبال ؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ۔

ع صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب، ایک کلیم سربکف

اسجگہ روحانی دنیا والوں کو حاصل ہونے والے کمالات سے متعلق چند نکات پیش کئے جا رہے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں ـــــ

اگر ہم اپنے اسلاف کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ امام غزالی ؒ اگر دس سال مسلسل درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر روحانی طرزِ زندگی کے لئے مخصوص نہ کر دیتے تو آج ان کا یہ شہرہ نہ ہوتا۔ شاعر تو بہت ہوئے ہیں لیکن اگر مولانا روم ؒ، شمس تبریز ؒ کی غلامی میں نہ آتے تو انہیں یہ مقام ہرگز نہ ملتا۔ علامہ اقبال ؒ بہت زبردست اہلیت رکھنے والے شاعر تھے اور اگر وہ گُل و بُلبل کی

شاعری میں الجھ جاتے تو جو وقار انہیں ان کی زندگی میں ہی مل گیا وہ ہرگز ہرگز نہ ملتا۔ اسی طرح سینکڑوں مثالیں اور بھی موجود ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ سے عقل سلیم ملی ہے وہ ان چند مثالوں سے ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو روحانی کمالات حاصل کرنے والوں کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب آپ کے لئے روحانی دنیا والوں کی چند خصوصیات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا جو انہیں حاصل ہیں۔ ان اللہ والوں کے دائرہ کمال میں اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں جو اس مختصر تحریر میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔

کمالات جو تصوّف کے بغیر ممکن ہی نہیں

بہت سے ایسے کمالات ہیں جو ایک مسلمان کسی صوفی کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن میں حکمت، معرفت، یقین، ذکر، ظاہر، باطن، اسرار، رموز، روح اور صحبت کاملین کا بار بار ذکر آیا ہے۔ قرآن میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے محکمات اور متشابہات کا سمجھنا ضروری امر ہے اور متشابہات کو صرف راسخین علم کے علاوہ کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ صوفیاء کے قول کے مطابق اہل طریقت ہی راسخین علم ہیں، جو اسرار ورموز کے علاوہ قرآن کے باطنی معنوں کی بھی معرفت رکھتے ہیں۔

تصوّف کی تمام اصطلاحات کا علم ہونا عام آدمی کے بس سے باہر کی بات ہے، چنانچہ ان کو جاننے کے لئے اور پھر ان پر دسترس حاصل کرنے کے لئے کسی کامل شیخ کی راہنمائی کا حاصل ہونا نہایت ضروری امر ہے۔ جو شخص خود وجد، سُکر و صحو، حال مقام، طریقِ رابطہ، انعکاسِ قلبی، وصل اور قرب، علومِ باطن اور ظاہر، وسعتِ قلب، معارفِ صحبت، مجاہدات، مکاشفات کی تکمیل سے واقف نہ ہو تو وہ دوسروں کی کس طرح راہنمائی کر سکتا ہے۔ چنانچہ راہِ طریقت پر لوگوں کو چلانے کے لئے ایک ایسے راہبر اور ہادی کی ضرورت ہوتی ہے جو ان تمام معارف سے کماحقہٗ آشنا ہو اور لوگوں کی راہنمائی کی استطاعت رکھتا ہو۔ اہلِ تصوّف ہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی دوستی (ولایت) کے حقدار اور رسم و راہِ طریقت سے آشنا ہیں۔ انہی لوگوں کو بصیرت، فراست، حکمت، معرفت اور شرح صدور کا علم عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور عوام الناس کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتے ہیں اور فیوضاتِ الٰہی کے حصول کے بعد اِن فیوضات کو لوگوں کے ظرف کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ یہ کام اولیائے کرام کے بغیر کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ پورا کام ایک الگ محکمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غُنیۃُ الطّالبین میں فرماتے ہیں کہ انہی باخدا لوگوں کی مجلس اختیار کرنے سے حلاوت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے اور ان کے نورانی حلقوں اور نورانی مجلسوں میں حق تبارک و تعالیٰ کی خالص محبت کے چشمے انسانوں کے اندر جاری کئے جاتے ہیں. جن کی قدر و قیمت صرف وہی جانتے ہیں جنہیں ذکر الٰہی کی توفیق عطا ہو چکی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ اولیا اللہ اور صدیقین

کے قلوب پر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر رحمت فرماتا ہے اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں (مریدین) اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں گویا قلوب در قلوب نظر پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنے سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ شاید کسی دن ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے آپ کے دل پر بھی اس کی نظر ہو جائے۔ حافظؒ فرماتے ہیں ۔

ع آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
(جو لوگ اپنی نظر سے خاک کو کیمیا کر دیتے ہیں کاش ایک نظر کا گوشہ ہماری طرف بھی کر دیں)

کتاب اور حکمت کی تعلیم شیخ کامل کے بغیر ممکن نہیں۔ قرب الٰہی اور اس کا ادراک حاصل کرنا اور طالب کو اس کی استطاعت سے آگے لے جانا اور بہت سارے دیگر مخصوص طریقت کے کاموں میں رہنمائی کرنا. مثلاً شیطان کی چالبازیوں سے بچانا. اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دل میں پیدا کرنا. سالکین راہ طریقت میں تصرّف کی استعداد پیدا کرنا. عالمِ بالا یا عالمِ برزخ سے سالک کا رابطہ پیدا کرنا. اللہ تعالیٰ اور مختلف ارواح سے باہم کلام ہونے کا شرف عطا کرنا اور نظامِ کائنات میں اولیاء کو اربابِ حل اور عقد کے عہدے پر فائز کرنا با کمال صوفیائے طریقت کا ہی مرہونِ منت ہے۔ عام لوگوں کو تو ان چیزوں کے نام سے بھی واقفیت نہیں چہ جائے کہ ان کو ان پر دسترس حاصل ہو سکے۔

شیخ کی طرف توجہ کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے

آیت وسیلہ (سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۳۵) میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہے لیکن کچھ لوگ نیک اعمال کو ہی وسیلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر اولیائے کبار اور صوفیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر نیک اعمال وسیلہ ہیں تو وہ شیخ جس کی توجہ شریف سے لوگ نیک اعمال کی طرف رغبت کرنے لگ جاتے ہیں، بدرجہ اولیٰ وسیلہ ہو گا۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف (مکتوب نمبر ۲۶۱ حصہ چہارم، دفتر اول) میں اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ اولیائے کبار ہی سالکین راہِ طریقت کو فیض تقسیم کرتے ہیں اور حقیقتاً وہی ہدایتِ الٰہی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ مکتوب مذکور میں آپ فرماتے ہیں کہ اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے۔ وہ شیخ جس نے مراد ہونے کی حیثیت سے اس راہ کو طے کیا ہو. ایسے شیخ کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے۔ وہ اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اس طریقت میں افادہ اور استفادہ انعکاسی (عکس ڈالنا) اور انصباغی (حصہ دینا) ہے۔ مرید محبت کے رابطہ سے. جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طور سے اس کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قطب ارشاد. جو کمالات فردیہ کا بھی جامع

ہوتا ہے، بہت عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے۔ ایسا قطب کئی صدیوں کے بعد گوہر نایاب کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔ تاریک عالم ایسے قطب ارشاد کے نور کے ظہور سے نورانی ہو جاتا ہے۔ جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت ملنا ہو تو اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اس دولت (ہدایت اور ایمان) کو نہیں پا سکتا ہے۔ یہ ایسا دریا ہے جو ہرگز حرکت نہیں کرتا (بلکہ منجمد رہتا ہے اور ایک جگہ سے سب کو فیض دیتا ہے)۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے ساتھ اخلاص (عقیدت اور محبت) رکھتا ہو تو اس بزرگ سے فیض پاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہو جائے تو بھی طالب فیض یاب ہو جاتا ہے۔ اس حالت توجہ میں طالب کے دل میں اس بزرگ وقت کی طرف سے ایک روشندان (جھروکہ) کھل جاتا ہے اور اس راہ سے توجہ اور اخلاص کے موافق اس (بزرگ کے) دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص ذکر الٰہی کی طرف تو متوجہ ہو لیکن اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو تو اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس بزرگ کی طرف توجہ کا نہ ہونا انکار کی وجہ سے نہ ہو بلکہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہ ہو تو اس حالت میں بھی وہ فیض حاصل کر سکے گا۔ اس شخص کو جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہو دوسرے شخص (یعنی متوجہ نہ ہونے والے) کے مقابلہ میں فیض زیادہ ملے گا۔ لیکن اگر کوئی ذکر کرنے والا اس بزرگ کا انکار کرتا ہے یا وہ ایسے بزرگ سے آزردہ یا نفرت کرتا ہے تو باوجود ذکر میں مشغول ہونے کے رشد و ہدایت سے محروم رہے گا۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ ایسے منکرین کے لئے وہ بزرگ نقصان دینے پر قصد نہیں کرتا بلکہ خود ایسا شخص محروم رہتا ہے کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہو جاتی ہے۔ وہ تو صرف مرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی، سوائے ان کے جو اس بزرگ کے ساتھ محبت اور اخلاص رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواہ مرید کی توجہ بغیر ذکر ہی اس بزرگ کی طرف ہو تو محض اس کی طرف توجہ کرنے سے بھی مرید کو رشد و ہدایات کا نور پہنچ جاتا ہے اور یہ بہت بڑی معرفت کی بات ہے۔

مذکور بالا بیان میں قطبِ ارشاد سے حضرت مجدّد علیہ الرحمتہ کی مراد وہ مجدّد ہے جو ہزار یا پانچ سو سال کے بعد آتا ہے۔ اس کا فیض اس کے وصال کرنے کے بعد بھی مرید کو اپنے شیخ کے ذریعہ حاصل ہوتا رہتا ہے آپ کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کی طرف توجہ سے قطب ارشاد کی طرف سے ہدایت و رشد کامل جانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کو وسیلۂ فیض بنانا قرآن کی آیت وسیلہ (وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ) کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جو لوگ ذکر تو کرتے ہیں اور وسیلہ نہیں ڈھونڈتے وہ مجدّد الف ثانی ؒ کے قول کے مطابق رشد و ہدایت کے نور سے محروم رہتے ہیں۔

تصوّف میں روح کا علم ہے اور تسکین بھی

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ تمہیں روح کا علم نہیں دیا گیا، مگر بہت قلیل۔

صوفیائے کرام کو اس قلیل علم میں سے جو کچھ بتایا گیا ہے اس پر بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس جگہ صرف چند ایک نکات پیش کئے جائیں گے، جو ایک عام آدمی کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکیں گے۔

انسان کی روح ایک شعاع ہے جو نہایت لطیف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی کیونکہ ایسی شعاعوں کا لہرائی طول (Wave Length) بہت کم ہوتا ہے اور یہ انسان کی آنکھ کے بس سے باہر ہے۔ جس طرح X-Rays نظر نہیں آتیں۔ یہ شعاعیں ہزاروں مادی رکاوٹوں میں سے بھی گزر جاتی ہیں۔ اس شعاع کو کوئی چیز کاٹ نہیں سکتی۔ روح ہر وقت انسان کے ساتھ رہتی ہے اور سریع السیر ہے۔ اس کی رفتار روشنی سے بہت تیز ہے۔ اس لئے آنِ واحد میں جہاں چاہے، جب چاہے، جتنی جگہوں پر چاہے پہنچ سکتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ انسان کی روح اعلیٰ علّیین سے اپنی قبر پر آنِ واحد میں پہنچ کر زائرین قبر کے لئے حاضر ہو سکتی ہے۔

انسان جو علم حاصل کرتا ہے روح کو پہنچتا ہے اور بصیرت باطنی بھی۔ انسان کی روح نیک اعمال، تقویٰ اور عبادات کی ادائیگی سے مضبوط اور مقوی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض بھی روح کے ذریعے سے انسان تک پہنچتا ہے۔

انسان کا قلب جن باتوں سے متاثر ہوتا ہے روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ روح اور جسم کا حساب ایک دوسرے سے الٹ ہے۔ یعنی یہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔

انسان کی روح کا تعلق اس کے قلب کیساتھ بہ طریقِ اُمّ الدّماغ ہوتا ہے، جب کہ دوسرا سرا عالمِ ملکوت، جبروت اور لاہوت وغیرہ سے گزرتا ہوا عالمِ ارواح تک پہنچتا ہے۔ یعنی اس روح کا ایک سرا انسان میں پیوست ہے اور دوسرا سرا عالم ارواح میں موجود رہتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ شعاع انسانی جسم سے منقطع ہو جاتی ہے اور روح اپنے مقامِ محمود کی طرف صعود کرنے لگتی ہے۔ کسی انسان کے مقامِ محمود کا تعیّن اس کے اعمال کی بلندی کے مطابق، عالمِ بالا میں متعین ہوتا ہے۔ کسی روح کا مقامِ محمود عالم ملکوت، کسی کا عالم جبروت، لاہوت یا عالم "ہو" کے کسی ایک طبقے میں مقرر ہوتا ہے۔ جو لوگ زیادہ بزرگ ہیں ان کا مقامِ محمود بھی بلند تر مقام پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم کا مقامِ محمود اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہے کہ اتنا قرب کسی کے مقامِ محمود کو حاصل نہیں۔ کچھ لوگوں کا مقام جہنم میں ہوتا ہے۔ (مقامِ معاد)

روح کا وہ حصہ جو مقامِ محمود سے نیچے ہوتا ہے، اوپر والے حصے سے قضا و قدر کے احکامات وصول کرتا ہے اور اسی روح کے ذریعے سے فیوض ربانی حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد نیک آدمی کی روح نہایت سرعت کے ساتھ اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتی ہے جب کہ گناہ گار لوگوں کی روحیں بہت کثیف ہونے کے باعث اوپر کی طرف صعود نہیں کر سکتیں اور زیادہ کثیف ہونے کے باعث اپنے مقامِ محمود کی طرف نہیں جا سکتیں۔ چنانچہ ہزاروں سال اس دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور اپنی کثافت کی وجہ سے کبھی عام آدمیوں کو نظر بھی آ جاتی ہے۔ چڑیلیں جو عام لوگوں کو نظر آتی ہیں وہ انہی بد کار

لوگوں کی روحیں ہوتی ہیں۔ جو روحیں اپنے مقامِ محمود تک پہنچ جاتی ہیں وہ بغیر حساب کتاب کے داخلِ جنت ہو جاتی ہیں۔ جو روحیں اپنے مقام محمود کے قریب پہنچ جائیں ان کا حساب کتاب بہت آسان ہوتا ہے، لیکن جو روحیں اپنے مقامِ محمود سے بہت دور رہ جائیں گیں ان کا حساب کتاب بہت سختی سے لیا جائے گا۔

انسان میں روحِ حیوانی، روحِ آسمانی اور روحِ قدس موجود ہوتیں ہیں۔ اگر کسی کو زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت" جو انشاء اللہ عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے کا مطالعہ فرمائیں۔

تصوّف کا علم ترقیٔ منازل کا سبب ہے

ماموراتِ اسلام اور علم تصوّف سے متعلق ایک مسلمان کو مطلوبہ معیار تک علم سیکھنا واجب ہے۔ لہٰذا بجائے خوش گپیوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے سالک کو ہر روز کچھ نہ کچھ مطالعہ ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔ جو شخص اس نیت سے علم حاصل کرتا ہو کہ وہ اس سے اسلام کو زندہ کرے گا اور اسی اثنا میں اگر اسے موت آ جائے تو قیامت کے دن اس کا درجہ انبیاء کے درجے سے صرف ایک درجہ کم ہو گا۔ معلوم ہوا کہ علم کو اشاعت کی نیت سے حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔ مرید جب کوئی علم سیکھے تو اس سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا اور علم کو دوسروں تک پہنچانے کی نیت دل میں رکھے۔

تصوّف کا علم بہت طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس میں منازل، مراحل حقائق، معارف، فوائد، احوال، اقوال، مکاشفات، مناقشات، مشاہدات، مقامات، درجات کے متعلقہ علوم شامل ہیں۔ اس میں ذوق، وجدان، صدقِ مقال، تبدیلیٔ مقامات، روحانی پرواز، عبادت کے مختلف نتائج و ثمرات، روحانی واردات، سالک میں پیدا ہونے والے کمالات اور جمالات کا نفع بخش علم شامل ہے۔ تصوّف میں تخلیہ، تجلیہ، خاطر، جذب، کیف، مستی، حکمت، معرفت، تجرّد، تفرید، دسواس، وصل، تصفیہ، تزکیہ، صحو، سکر، ہجوم، غلبات، وجد، تواجد، روح، سر خفی، اخفیٰ، جمع، تفریق، فنا، بقا، غنا، فقر، تفکر، زمان، مکاں، لوائح، لوامع، واقع، اشارہ، رمز، ایما، صفا، صفا الصفا، موجود، مفقود، معدوم، حضور، غیبت، قبض، بسط، دہشت، حیرت، کشف، سطح، اصول، ذہاب، رین، غین، عین، ذات، حجاب، دعویٰ، اختیار، بلا، البلا، سر، عقد، حسّ، طمس، لمس، رمس اور الدمس وغیرہ کے معنی خیز اصطلاحات کا علم بیان کیا جاتا ہے۔ ان میں بعض ایسے مضامین ہیں جن کو جانے بغیر تصوف کی راہیں طے نہیں ہو سکتی۔ مرید کو چاہیئے کہ ان علوم کا خود بھی مطالعہ کرے تاکہ ان الفاظ سے مانوس ہو جائے اور اولیائے کرام سے ان کے معانی کے متعلق استفادہ حاصل کرے۔ جس مرید کو روحانی دنیا کے علوم کا قطعاً کوئی اندازہ نہ ہو تو وہ ان پر عمل بھی نہ کر سکے گا۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ مشائخ کی صحبت میں آئے بغیر اگر یہ علم حاصل

کیا جائے تو ایسا علم حجاب ثابت ہوتا ہے اور مرید کے لئے ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے (جیسے کہا جاتا ہے، العِلمُ حِجَابُ الاَکبَر) روحانیت کا علم بہت وسیع ہے۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ بزرگوں نے کس طرح ان بلند مقامات کو حاصل کیا۔ روحانیت کے متعلق انہوں نے کن باتوں کا انکشاف کیا۔ اولیائے کرام کی تصانیف کے پڑھنے سے اولیائے کرام کے احوال اور معارف کا علم ہوتا ہے۔ یہ تمام علوم انسان میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں اور جب اس کیفیت کا وارد ہونا شروع ہو جائے تو مزید روحانی علوم کا سیکھنا اور ان پر عمل آسان ہو جاتا ہے۔

تصوّف میں جذب کا حصول

جذب ایک عطا ہے جو ان لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے دلوں کو ذکر سے آباد رکھتے ہیں۔ مقامِ فنا صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ بھی جذب کے ذریعے بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جذب ایک سوز یا آگ ہے جس سے بری خصلتیں ختم ہو جاتی ہیں اور دل دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے اور آخرت کی طرف لگ جاتا ہے۔ جذب کی ہی گرمی مرید کے لئے ایک سواری کا کام دیتی ہے۔ جس سے وہ بہت سی روحانی منازل طے کر سکتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جو راستہ عبادتوں سے ہزارہا سال میں طے ہوتا ہے، جذب کے ذریعے چند لمحات میں طے کر لیا جاتا ہے۔

سالک، راہِ طریقت پر چلنے کے کچھ عرصے بعد ہی اپنے اندر جذب اور کشش کا پایا جانا محسوس کرتا ہے۔ جذب سالک کے لئے ایک سواری ہے جس سے وہ مختلف روحانی مقامات طے کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مرید کے دل میں بیعت کے بعد یقین بڑھتا ہے اور کامل ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ وہ روحوں اور فرشتوں کی حاضری محسوس کرتا ہے۔

انسان کی روح کا وہ حصہ جو عالمِ خلق میں ہے، فرائض کی ادائیگی سے قوی ہو جاتا ہے اور اس کی روح کا وہ حصہ جو عالمِ امر میں واقع ہے نفلی عبادات سے تقویت حاصل کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عالمِ امر والا حصہ کمزور رہ جاتا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو جذب پیدا نہیں ہوتا۔ عالمِ امر والے حصے کی کمزوری شیخ کی توجہ سے دور ہو جاتی ہے۔ اور یہ جذبہ پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ جذب اعتدال پر ہو تو سالک پر صحو یا بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جذب زیادہ ہو جائے یا قبل از وقت پیدا ہو جائے جسے سالک برداشت نہ کر سکتا ہو تو وہ مجذوب ہو جاتا ہے۔ اگر جذب کم ہو تو قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

جذب اور محبت کے راستے سے اگر مرشد (یا حق تعالیٰ) کسی شخص کو مقصود (یعنی اللہ) تک لے جائے تو ایسے مرید کو مراد کہتے ہیں، جب کہ مرید ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعے منزل پر چل کر جاتا ہے۔ "جانے" اور "لے جانے" میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مراد اس شخص کا نام ہے جسے

حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ اس کو حالات غیبی کشف ہو جاتے ہیں۔ مرید وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چاہنے والا ہو اور طریقت کے راستے پر ابتداء کرنے والا ہو (مبتدی)۔ مراد کو اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے۔ مراد اسے کہتے ہیں جو طریقت کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے۔ مرید اس وقت تک مرید نہیں بن سکتا جب تک خدا کی ارادات نہ ہو یعنی خدا نے ازل سے ہی چاہا ہو کہ فلاں اللہ کا مرید ہو گا۔ جس طرح سورہ المائدہ آیت ۵۴ میں ہے " یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی چاہت کا دارومدار بندے کی طلب اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جب بندے کو خدا تعالیٰ چاہے تو محال ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کو نہ چاہے اور خدا اس وقت تک بندے کو نہیں چاہتا جب تک بندے کو بھی اللہ کی خواہش اور طلب نہ ہو۔ خدا کے ارادے کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو ہی نہیں سکتی اور اگر ہو جائے تو خدا کا مجبور ہونا ظاہر ہو گا جو کہ محال ہے۔

تصوّف میں حال اور مقام کا حصول

بندے کا حالؔ اس کی ایسی قلبی واردات میں سے ہے جو بندے میں ایک خاص وقت پر وارد ہوتی ہیں اور پھر دل میں قرار پکڑتی ہیں جب کہ دل میں رضا اور سب کچھ اللہ کو سپرد کر دینے کی صفات موجود ہوں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حال صفائے اذکار کے ساتھ باطن میں وارد ہوتا ہے اور زائل نہیں ہوتا اور اگر زائل ہو جائے تو حال نہیں قرار پاتا۔ مقامؔ یہ ہے کہ بندہ اپنے مخصوص احوال میں سے اس پر فائز ہوتا ہے، جیسے مقامِ توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، رضا اور توکل وغیرہ۔ بندے کے ظاہری و باطنی مقامات ہیں۔ مجاہدات و معاملات اور ارادات کے متعلق جب بندہ کسی فعل میں مکمل ہو تو وہی اس کا مقام ہے جس سے وہ اگلے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ قرآن میں فرمایا وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے۔ (الصّٰفّٰت. ۱۶۴)

حال کو حال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بدلتا رہتا ہے اور مقام ایک جگہ قائم ہوتا ہے۔
کبھی حال رفتہ رفتہ مقام میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ (جیسے نفس کی صفات میں تغیّر ہوتا رہتا ہے) کبھی محاسبہ کا حال نفسانی صفات پر غالب آ جاتا ہے اور نفس اسکے طابع ہو جاتا ہے، تو اس وقت یہ جذبۂ محاسبہ اس کا مقام بن جاتا ہے جب کہ اس سے پہلے وہ محاسبہ کے حال میں تھا۔

صوفی کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے اِنعکاس ملتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے اب بھی شعاعوں کو حاصل کیا

جاتا ہے اور یہ خاصیت صرف اہلِ تصوّف کو ہی حاصل ہے۔ امام وقت حضرت ثناء اللہ پانی پتی ؒ اپنی تفسیر مظہری میں درج ذیل آیت کی تشریح میں اس انعکاس کے راز کا انکشاف فرماتے ہیں۔

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا۟ تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ البقرة

جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے، پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں يُعَلِّمُكُمْ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور دوسری بار جب یہ لفظ استعمال ہوا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم کتاب و حکمت کے علم کے علاوہ ایک الگ نوعیت کا علم ہے اور غالباً. اس سے مراد علمِ لَدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حصول بوجہ تعلیم نہیں بلکہ بذریعہ انعکاس ہے۔ یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینے پر منعکس ہوں۔ اولیائے کاملین، جو انوارِ نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ اپنے مریدانِ باصفا پر اس قسم کے علوم اور معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ معانقہ بھی اسی انعکاس کی طرز سے فیض دینے کی ہی ایک مثال ہے۔ اس کے بعد (اگلی آیت میں) ان معارف کے حاصل کرنے کے طریقے اور ذریعے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اس انعکاس کی استطاعت ذکر کرتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا۔

فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ البقرة

سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان معارفِ الٰہی کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القا اور انعکاس ہے اور یہ استعداد صرف مراقبہ اور ذکر الٰہی سے ہی پیدا ہوتی ہے کہ سالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضان اور القا قبول کر سکے۔ اس آیت میں باری تعالیٰ کی طرف سے اس انعکاس کو حاصل کرنے کے لئے حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ میرا ذکر کرو اور کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کئے جاؤ گے کیونکہ انوار اور تجلیات الٰہی کی بے محابا بارش کے باعث خدا سے دوری کے حجاب الٹ دیئے جاتے ہیں۔

وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ میں قرآنی علوم کے اتباع کی طرف اشارہ ہے۔

اتباع دو قسم پر ہوتی ہے۔ ایک عملی اور ایک حالی، آج کل کے مصلحین عمل کی تلقین کرتے ہیں اور حال کی طرف توجہ نہیں دیتے اور طالبین کو تزکیہ سے بے بہرہ رکھتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کام عملی طور پر کر کے دکھائے۔ جب تک انسان کا حال (یعنی قلب) متاثر نہ ہو تو عمل درست متصوّر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے طریقت میں حال اور قال دونوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور طریقت ہی

ایسا راستہ ہے جس سے مذکور انعکاس حاصل ہو سکتا ہے۔

صوفیہ کو بشری اور نوری صفات سے استفادہ ہوتا ہے

انسانوں اور فرشتوں میں بشری اور نوری صفات ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اہل تصوف کی اس بات کو جانتے ہیں کہ انسانوں میں ملکوتی اور بشری صفات باہم موجود ہوتی ہیں اور اسی طرح فرشتوں میں بھی یہ دونوں صفات موجود ہوتی ہیں۔ فرشتوں پر عام طور پر ملکوتی جہت (صفت) حاوی رہتی ہے لیکن جب چاہیں تو انسانوں کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ (جیسے کہ جبرئیلؑ دحیہ قلبیؓ کی شکل میں بھی وحی لے کر آیا کرتے تھے)۔ بالکل اسی طرح انسانوں کو بھی یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ ملکوتی جہت اختیار کر کے اسی طرح پرواز کریں جس طرح فرشتے کیا کرتے ہیں۔ (ابدال ہوا میں اڑنے کی طاقت رکھتے ہیں)۔ انسان کی روح نورانی چیز ہے اور فرشتوں کی سی حرکات کرنا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں۔ فرشتوں کی طرح انسان بھی آنِ واحد میں جسم سمیت دور دراز کے علاقوں کا سفر کر سکتا ہے۔ انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہے تو زمین اور آسمانوں کو ایک لمحہ میں نگل جائے۔

انبیاء زیادہ تر نورانی جہت سے فیضِ خداوندی حاصل کرتے ہیں اور بشری صفت میں آکر بندوں کے ظرف کے مطابق فیض تقسیم کرتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ نماز کی دو رکعتیں انسان کے لئے اس طرح ہیں جس طرح فرشوں کے دو پر۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو اولیائے کرام سخت مجاہدات اور زبردست عبادات میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں ان کی روحوں کی کیفیت کا عالم کیا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام سے ایسی کرامات دیکھنے میں آتی ہیں جن سے جِنّات اور فرشتے بھی عاجز ہیں۔

کچھ اولیائے کرام کو یہ طاقت حاصل ہے کہ جب چاہیں، جہاں چاہیں، چشم زدن میں عالمِ ملکوت، جبروت اور لاہوت وغیرہ کی سیر کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت سے کون آشنا نہیں کہ معراج کے دوران جبرائیل علیہ اسلام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بال برابر بھی پرواز نہ کر سکتے تھے مگر سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آگے کا سفر بھی طے فرمایا اور معراج کی آخری کڑیوں تک آپؐ کو رسائی حاصل ہوئی۔ عام اولیائے کرام کا عرش پر مصلّیٰ گزارنا، لوح محفوظ پر نظر رکھنا، اور بہت بلند مقامات تک عروج کا حاصل کرنا بہت مشہور و معروف مثالیں ہیں۔ اس دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا، ان کی باتیں سننا اور ان سے محو گفتگو ہونا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب انسان میں ملکوتی صفات بھی موجود ہوں اور ان کو کام میں بھی لا سکے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے چلے جانا ملکوتی صفت سے بھی بالاتر کام تھا۔ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ نے اپنے بہت سے روحانی عروجوں اور مشاہدات کا ذکر مکتوبات شریف میں فرمایا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کوئی اپنی روح کو عبادات اور مجاہدات سے مزین کرے۔ جو

لوگ عبادات اور مجاہدات نہیں کر سکتے ان کی روحانی بساط چوپاؤں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ کچھ کم ہمت لوگ نفسانی خواہشات کے غلبے میں آنے کے بعد اپنا درجہ چوپاؤں سے بھی اسفل مقامات تک لے جاتے ہیں۔ ایسی عبادات اور مجاہدات کے بعد جس سے اولیا اللہ متّصف ہوتے ہیں، ان کی روحوں میں تصرّفات کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد وہ حیرت العقول کاموں پر بھی قادر ہو جاتے ہیں ، لیکن اس روحانی ارتقاء کے لئے کسی شیخ کامل کی دستگیری اور نگرانی ایک ضروری بات ہے۔

صوفیاء کا قربِ خداوندی

ولی کے لفظی معنی قرب کے ہیں اور قرب نزدیکی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو خدا کے قریب ہو۔ حضرت ثناء اللہ پانی پتی ؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ قربِ الٰہی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قرب وہ جو ہر شے کو حاصل ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی شے زندہ نہیں رہ سکتی۔ نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ۔ (ہم اس کی شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں۔ ق:۱۶) کی آیت سے یہی قرب مراد ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہ قربِ صحبت کہلاتا ہے اور کسی ولی اللہ کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس قرب میں ولائت پر فائز ہونے کے بعد آفتابِ رسالت ؐ کی شعاعوں کا انعکاس ہونے لگتا ہے جس کا ذکر الگ سے کر دیا گیا ہے۔ شمعِ رسالت ؐ کا یہ نور مرید کو اپنے سلسلے کے بزرگوں کی معرفت اور وسیلے سے منتقل ہوتا ہوا اس تک پہنچتا ہے۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں کہ شمع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جلائے جانے والے چراغ سے اگرچہ سینکڑوں چراغ روشن کئے جائیں تو آخری چراغ میں اسی شمع کی روشنی پائی جائے گی۔ چنانچہ جس نے آخری چراغ کو دیکھا تو گویا اس نے پہلی شمع کو دیکھا ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ ٱللَّهُ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ (یعنی اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ النور. ۳۵) انسان کی عقل بھی نور ہے چنانچہ جو شخص اللہ سے زیادہ قریب ہو گا اس کو اس کے نور سے زیادہ حصہ ملے گا اور اس کی عقل میں بھی قرب کے مطابق اضافہ ہو گا۔ حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں دیوانے آتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔ اللہ کے مقبول بندوں کا عقلی معیار عام لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

اولیاء کے قرب میں ہی قربِ خداوندی ہے

روحانیت کا سلسلہ وصالِ الٰہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں قرب الٰہی تلاش کرتے ہیں۔ حضرت سری سقطی ؒ نے فرمایا کہ "قرب خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ملتا ہے۔ عام لوگوں کے ذہن میں قرب سے مراد ملاپ یا قریب ہونا ہوتا ہے۔ یہ قرب، قربِ مسافت نہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بندے پر جو میں نے فرض کیا ہے (اطاعت) اس کی ادائیگی کی مثل

میرے پاس بندے کے واسطے قرب کی اور کوئی صورت نہیں یعنی جتنی کوئی فرائض کی ادائیگی کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ کے قریب ہو جائے گا۔ (یاد رہے کہ وہ قرب جو بزرگوں کی صحبت میں رہ کر سیکھا جاتا ہے وہ بغیر صحبت کے میسر نہیں ہو سکتا) مکانی قرب کے لئے، قریب اور بُعد کا ہونا ضروری ہے۔ کسی ایک یا دو مکانوں میں آجانا بندے کے لئے تو کہا جاسکتا ہے لیکن اللہ کے لئے یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ ایک مکان میں آگیا کفر ہے۔ لہٰذا ایسا مکانی قرب بندے اور حق تعالیٰ کے درمیان روا نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ کسی شخص سے بہت طویل مسافت پر ہو لیکن انعامات اور خلعت کے نوازنے سے اسے بادشاہ کا مقرّب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو تو وہ زیادہ مقرّب اور قریب ہو گا۔ اسی طرح جو زیادہ گناہ گار ہو وہ زیادہ رسوا اور زیادہ بعید ہو گا۔

جب حق تعالیٰ کسی کو قرب دیتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کو اپنے کسی ولی اللہ کی نگرانی میں اپنی اطاعت میں مشغول کر لیتا ہے اور دوری کی نشاندہی بندے کا معصیت میں مبتلا ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے خود کو ذلیل سمجھنا قرب کی علامت ہے چونکہ سجدے میں سب سے زیادہ ذلت ہوتی ہے لہٰذا سب سے زیادہ قربِ الٰہی بھی سجدے میں ہے۔ ایک بزرگ نے کہا کہ کوئی اگر اسی (اللہ) کو دیکھے اور اپنے فعل سے فارغ ہو جائے اور اپنے آپ پر اسی کی نعمتیں اور صنعتیں دیکھے اور اپنے مجاہدات کے دیکھنے سے غائب ہو جائے تو ایسے لوگ ہر شے میں خدا کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھنا قرب کے باعث ہو گا۔

صوفیاء کا دائمی حضور

دائمی حضور سے مراد یہ ہے کہ کسی کو حضوری کی کیفیت ہمہ وقت میسر رہے۔ یہ کیفیت عالم ارواح میں تمام ارواح کو حاصل تھی جہاں روحیں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی تھیں لیکن روحوں کے دنیا میں آنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی اور انسان اپنے جسم، گھربار، آل اولاد اور دنیاوی معاملات میں الجھ کر اس حضوری کی کیفیت سے تقریباً محروم ہو گیا۔ اس کے برعکس کچھ روحوں کا یہ حال رہا کہ وہ عین دنیا داری کے کاموں میں الجھ کر بھی حضوری کی وہ کیفیت محسوس کرتی ہیں جیسی کہ ان کو عالم ارواح میں حاصل تھی۔ ایسی کیفیت صرف محبوبین الٰہی کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کی سورۃ النّور میں ایسے لوگوں کے لئے فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ (یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے)۔ حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں ایک نوجوان شخص کو دیکھا کہ جو پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا اور اس قدر مصروف ہونے کے باوجود اس کا دل ایک لمحہ بھر کے لئے بھی یاد الٰہی سے غافل نہ تھا۔ محبوبین خدا کی یہ مثال سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ ایسے لوگ امور دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی دنیا سے بے تعلق رہتے ہیں۔

جو لوگ ایسی دائمی حضوری چاہتے ہیں انہیں چاہیئے کہ دن میں اپنے فارغ اوقات میں پاسِ انفاس کو جاری کریں اور رفتہ رفتہ اس کا دورانیہ بڑھاتے جائیں حتیٰ کہ چلتے پھرتے بھی پاسِ انفاس جاری رہے۔ چالیس دن مسلسل کوشش کرنے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ پاس انفاس تمام وقتوں میں جاری رہے گا۔ حتیٰ کہ سونے کے اوقات میں بھی یہ ذکر جاری ہونے لگتا ہے۔ ایسے انسان کاروبار کے دوران بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشائخ کرام. اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کی تار کے جوڑنے کا ڈھنگ بھی سکھا دیتے ہیں۔

عارفین لکھتے ہیں کہ اہل اللہ پر دائمی حضوری کا اس قدر بوجھ رہتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے دبے ہوئے ہوں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام ہروی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے ایک لمحہ کے لئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا۔ حضرت عبداللہ اسطرخی ؒ شکاریوں کے ساتھ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے اور کتوں کا شکار دیکھتے تھے۔ جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ ان بے ہودہ مشاغل میں آپ کیوں حصہ لیتے ہیں تو فرمایا کرتے کہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ کے لئے تو میرے قلب سے غلبۂ حال اور زبردست بوجھ کم ہو جائے۔

کچھ صوفیا کا خیال ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر شدید غلبہ حال ہوتا اور تجلّیاتِ جلال سے جسم جلنے کو آتا تو ایک دن رات میں ستر مرتبہ یہ دعا فرماتے کہ الٰہی میرے اور اپنی تجلّیاتِ جلال کے درمیان پردہ ڈال دے تاکہ جلنے سے بچ جاؤں۔ (کیونکہ غفر کے معنی پردے کے ہیں)۔ شیخ سعدی ؒ نے فرمایا ہے ؎

عجب ایں نیست کہ من والہ و مجبورم عجب ایں است کہ من واصل و مہجورم

(تعجب یہ نہیں کہ میں عاشق اور مجبور ہوں بلکہ تعجب اس پر ہے کہ میں بیک وقت واصل بھی اور مہجور بھی ہوں)

عاشقانِ الٰہی وصل اور قرب کے کسی مقام پر مطمئن نہیں ہوتے اور قریب سے قریب تر مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان کے اجسام بھی روحانیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور خواصِ بشریت سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگر کئی کئی ماہ تک کھانا نہ کھائیں تو پرواہ نہیں ہوتی۔ اس مقام پر ان کا سایہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو مقام جامعیت (فنا اور بقا) بدرجہ اتم حاصل تھا۔ اس لئے آپ قرب حق کے ان مراحل پر پہنچ گئے جہاں ایک حدیث کے مطابق نہ تو کوئی فرشتہ ہوتا اور نہ کوئی نبی اور رسول ہوتا۔

شیخ الاسلام بابا فریدالدین گنج شکر ؒ فرماتے ہیں کہ مقامِ حضوری کے بعد حق تعالیٰ کے غیر کو دیکھنا حق تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت معراج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی طرف نگاہ التفات نہ کی حتیٰ کہ دنیا میں بھی آپ ؐ نے کبھی کسی چیز کی طرف نگاہ التفات سے نہ دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (نجم: ۱۷) آپ کی نگاہ نے نہ دوسری طرف دیکھا اور نہ حد سے بڑھی۔

رابطۂ شیخ

طریقت میں ابتدا کرنے والوں کے لئے شیخ کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا ضروریاتِ طریقت میں سے ہے. لہٰذا رابطۂ شیخ پر کچھ ہدایات مبتدیانِ طریقت کے لئے یہاں شامل کی جارہی ہیں۔
حضرت مجددؒ الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر اتباعِ سنت اور رابطۂ شیخ میں فطور نہ ہو تو پھر کوئی خرابی نہیں اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی کمی ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔

خواجہ محمود اشرفؒ نے حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کو لکھا کہ غلبۂ تصوّرِ شیخ کی وجہ سے نماز میں بھی وہ اپنے شیخ کے تصوّر کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر نماز میں شیخ کے تصوّر کو نفی کرے تو نفی نہیں کر پاتا (یعنی جب سجدہ کرے تو معلوم ہوتا ہے شیخ اس کے سامنے ہے اور سجدہ شیخ کو کرتا ہے)
آپ نے جواب میں لکھا "اے محبت کے اطوار والے" یہ دولت طالبانِ حق کی تمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاید کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور نسبت والا مرید صاحبِ استعداد اور تامُّ المناسبت والا ہوتا ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ کی تھوڑی سی محبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ شیخ کے رابطے کی نفی کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجودلہٗ نہیں۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو ہی میسر آتا ہے۔

طریقۂ نقشبندیہ کا دارومدار شیخ مقتدیٰ کی صحبت اور رابطۂ محبت پر ہے۔ کشودگیٔ کار اور ترقی اسی سے متعلق ہے اس راہِ غیب الغیب میں مرشدِ کامل کی دستگیری کے بغیر راستہ چلنا اور سلوک طے کرنا بہت مشکل امر ہے۔ اہل اللہ ہمہ وقت شیخ سے رابطہ رکھتے ہیں۔

اے خنک آں مرد کز خود رُستہ شد   در وجود زندۂ پیوستہ شد
وائے آں زندہ کہ بامردہ نشست   مردہ گشت و زندگی از وے بجست

(ٹھنڈا رہے وہ مرد جو خود سے چھوٹ گیا اور کسی زندہ کے ساتھ پیوست ہو گیا،
(افسوس اس زندہ پر جو مردے کے ساتھ بیٹھا۔ سمجھو ایسا شخص تو مر گیا اور زندگی اس سے بھاگ گئی)

جو لوگ اپنے شیخ سے عقیدت رکھتے ہیں ان کو شیخ کے فیوض بھی پہنچتے رہتے ہیں۔
یہاں تک کہ جو کمالات ان کے شیخ میں موجود ہوں مرید اپنی محبت اور لگاؤ کی وجہ سے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ شیخ اور مرید میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتی ہے اور محبت کی اس منزل میں

"... ن تو شدم، تو من شدی" کا مقام مرید کو میسر ہو جاتا ہے. جسے ایک جان دو قالب بھی کہا جاتا ہے۔
راہِ ارادت میں ارواحِ طیبہ سے ہمت اور استقامت طلب کرنا ایک سالک کے لئے بہت ضروری امر ہے اس لئے اس کے متعلق معلومات بیان کی جا رہی ہیں تاکہ ہر سالک اپنے بزرگوں سے اعانت حاصل کر سکے۔ حضرت باقی باللہ رحمۃُ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حق تعالیٰ بندہ پر صفتِ ارادہ سے تجلی نہیں فرماتا وہ بندہ اہل اللہ کا راستہ اختیار نہیں کرتا اور کسی کا مرید نہیں ہوتا۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ارادہ انسان کے اپنے ارادے سے منسلک ہوتی ہے یعنی اگر اس کا ارادہ اللہ کی طرف آنے پر ایک بالشت کی مانند امادہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایک گز اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسے علامہ اقبال نے فرمایا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے. راہرو منزل ہی نہیں

اولیااللہ کے رسائل میں بھی یہ بات موجود ہے کہ سالک کی ارادت پہلے اگر حق تعالیٰ سے ہو تو یہ بہت بڑی بات ہے اس کے بعد اپنے بزرگوں کی ارواح طیبہ سے ہمت اور استقامت طلب کرے کیونکہ اس کے بغیر انسان خواہ فرشتہ بھی ہو محروم رہتا ہے۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

(عنایاتِ حق اور خاصانِ حق کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو نامۂ عمل سیاہ رہے گا)

کلیاتِ باقی باللہ" میں ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں طریقِ رابطہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے جاری ہوا اور طریقۂ ذکر حضرت امیرالمومنین علی" کے توسط سے پہنچا ہے لیکن ذکر کا وہ طریقہ بھی جسے راقم الحروف نے اپنے خاص دوستوں کو سکھایا ہے. (جس کا ذکر مجدد علیہ الرحمہ نے مکتوبات میں وقوف عددی کے نام سے نقل کیا ہے) حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے ہم تک پہنچا ہے کیونکہ اس میں "حبسِ نفس" (سانس بند کر کے) اور اس کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملانا ہے۔ مشائخ سے محبت کرنے کا طریق بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پہنچا ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کا طریقۂ صحبت بھی ان سے ہی پہنچا ہے کیونکہ آپ سفر اور حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صحبت کے راستے سے رہتے تھے اور صحبت کے واسطے سے تمام کمالات حاصل کرتے تھے چنانچہ اس ارادت (طریقت) کے کام میں بنیاد صحبت پر ہے اور رابطہ اس کا سایہ ہے۔ لہٰذا جب صحبت ظاہری حاصل نہ ہو تو واسطے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہی صحبتِ معنوی ہے کہ جس سے مراد یہ ہے کہ شیخ سے دوری طریقت میں رکاوٹ نہیں۔

حضرت باقی باللہ" ذکرِ قلبی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سلسلۂ نقشبندیہ اور کبرویہ کا ذکر وہی ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہم تک پہنچا اور پھر اس میں ہمارے زمانے تک کوئی فرق نہ آیا۔ جب دل کی حرکت ذکر کی حرکت کے برابر ہو جاتی ہے یا

خیال کے کانوں سے کلمۂ "اللہ" سنائی دیتا ہے تو یہ صنوبری گوشت کے ٹکڑے کا ذکر ہے۔اسے بھی ذکر قلبی کہتے ہیں۔ لیکن اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل میں ذکر سے مراد حضور اور شہود کا حاصل ہونا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب کا حضور یا شہود محسوس کر لے) اور جب یہ حاصل ہو جائے تو دل اغیار کے خطرے (یعنی اللہ کے سوا کسی اور کے خیالوں) سے نجات پا جاتا ہے جب یہ حالت آ جائے تو اس کیفیت کے برقرار رہنے کی طرف خیال کرنا چاہئے اور ذکر بے شک کم ہو جائے۔ جب یہ حالت برقرار ہو جائے تو اس وقت اس کے ساتھ ذکر کو اکٹھا کرے اور الطاف بے نہایت کا انتظار کرے۔

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار ؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ کبار قدس اللہ اسرار ھم کے مزارات سے زیارت کرنے والا اسی قدر فیض حاصل کر سکتا ہے جتنا اس نے اس بزرگ کی صفت کو پہچانا اور اس کی صفت کی طرف توجہ کی ہے اور خود اس صفت میں آ گیا ہو۔ مشاہداتِ مقدسہ کی زیارت کرنے کے لئے قربِ صوری (جسمانی قرب) کے اثرات بہت ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان بزرگوں کی ارواح کی طرف توجہ کرنے میں اکثر بُعدِ صوری (جسم کا دور ہونا) کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ صَلُّوا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ (مجھ پر درود بھیجو چاہے تم کہیں بھی ہو) اسی بات کی دلیل پیش کرتا ہے۔ خواجہ عطار ؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ توجہ کا مرکز اللہ کی طرف رہے اور اس صاحبِ قبر کی روح کو حق تعالیٰ کی طرف کمال یا توجہ کا وسیلہ بنانا چاہئے۔ اس کی مثال یوں دی جاتی ہے کہ جب ہم مخلوق کے سامنے تواضع کرتے ہیں تو حقیقتاً وہ حق سبحانہ کے سامنے تواضع ہوتی ہے کیونکہ تواضع اگر خالص اللہ کے لئے نہ ہو تو یہ بناوٹ ہو گی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ کسبِ فیض بزرگوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اس سے انکار نہایت دشوار اور بے انتہا بے ذوقی کی دلیل ہے۔ کسبِ فیض کے متعلق قرآن اور حدیث میں نہایت واضح ثبوت موجود ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں ان لوگوں کے رستے پر چلنے کی طلب کا اظہار ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ نساء کی آیت ۶۹ میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے تو وہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضوان اللہ، شہدا اور صالحین ؒ کی ارواحِ مقدسہ کی معیّت میں ہے جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔ یہ تعلق یا معیّت تو احکامِ الٰہی و سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی قائم ہو جاتی ہے مگر صدیقین، شہدا اور صالحین کی محبت سے اس کے علاوہ فراست و بصیرت کی آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اِلَیْہِ (آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) اس حدیث اور مندرجہ بالا آیات قرآن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن عظیم ہستیوں سے ایک مومن محبت کرتا ہے تو اسے ان کی معیّت حاصل ہو جاتی ہے۔ لاکھوں کروڑوں افراد کا ان بزرگوں سے فیض حاصل کرنا ہر زمانے میں ثابت ہے اور آج بھی جاری ہے۔ سب سلسلوں کے بزرگوں اور بالخصوص بزرگانِ نقشبندیہ ؒ میں ایسے

کئی بزرگ نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے سے پہلے، وفات شدہ بزرگوں سے فیض حاصل کیا ہے اگرچہ اس دنیائے شہادت میں ان کی ملاقات نہیں ہوئی یہاں تک کہ کچھ لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں بھی باریاب ہوئے ہیں۔

خواجہ محمد پارساؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہ اویسی تھے۔ خواجہ عطارؒ فرماتے ہیں کہ اویسی وہ اولیا اللہ ہیں جنہیں ظاہر میں پیر کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے حجرۂ عنایت میں ان کی پرورش فرماتے ہیں، اس میں کسی دوسرے کا واسطہ نہیں ہوتا اور حضرت اویسؒ کی تربیت اسی طرح فرمائی گئی۔ یہ بہت اعلیٰ مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نوازے اور کچھ لوگ تو ابتداء سے ہی اس مقام کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ طریقِ سلوک میں فیض حاصل کرنے کے لئے ارواح مقدسہ کا درمیان میں واسطہ ہوتا ہے لیکن طریقِ جذبہ میں کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ہمیں یہ بات صحیح یقین سے معلوم ہے کہ آپ کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی روحانیت سے نسبت ہے جبکہ ان کی پیدائش حضرت امام جعفرؒ کی وفات کے بعد ہوئی۔ اسی طرح شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو تصوّف میں ابو یزید بسطامیؒ کی روح سے انتساب ہے اور آپ کے سلوک میں آپ کی تربیت شیخ ابو یزیدؒ کی روحانیت سے ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ کی تربیت حضرت اناقدس سرہ، کے حکم سے ایک ترکی درویش حضرت خلیلؒ نے کی۔ اس کے علاوہ حضرت بہاؤالدینؒ نے ذکر کی تربیت حضرت خواجہ سید امیر کلالؒ سے لی جو آپ کے مرشد تھے مگر آپ کے استاد حقیقی اور پیر معنوی شیخ عبدالخالق غجدوانیؒ تھے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ خواجہ بہاؤالدینؒ کے باطن پر متجلّی ہوئے اور ذکرِ خفی، بعض ریاضاتِ سریع الاثر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی تربیت اپنے سامنے گویا بالمشافہ فرمائی حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں۔

بہ ظاہر پیرش از میر کلالؒ است۔ بہ پیرِ غجدوانی اتّصال است

(اگرچہ ظاہر میں ان کے پیر حضرت کلالؒ تھے مگر حضرت غجدوانیؒ سے اتصال تھا)

حضرت خواجہ محمد پارساؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ آپ مشائخ طریقت کی ارواحِ طیبہ کی جانب اپنی توجہات فرماتے اور ہر ایک کی روحانیت کے ظہور کا الگ الگ اثر پاتے۔ بلکہ کچھ بزرگ تو مسلسل کئی ماہ اور کئی سال تک ایک ہی بزرگ سے فیض حاصل کرتے اور ان کے ہی اثرات حاصل کر لیتے۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ فرماتے تھے کہ اویس قرنیؒ سے حاصل کردہ توجہ کا اثر ظاہری اور باطنی تعلّقات سے انقطاع ہے (یعنی مکمل طور پر ہر ایک سے قطع ہونا ہے) اور خواجہ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ کی طرف توجہ کرنے سے بے صفتیٔ محض کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ اس اُمّت کے ولیوں کو محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے علاوہ دوسرے پیغمبروں کی ولایت کی نسبت سے بھی حصہ ملتا ہے۔ یہ حصہ اس لئے بھی ملتا ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے اقتباسِ انوار کرتے ہیں اور آپ کے باطنِ مقدس سے مستفیض ہوتے ہیں اور سب کی ارواح حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی روحانیت کے احاطہ میں داخل ہے۔

مزار پر حاضر ہو کر استمداد کرنے کے بارے میں حضرت باقی باللہ " اپنے خلیفہ شیخ تاج الدین " کو تحریر فرماتے ہیں کہ اس سیاہ دل نیاز مند کو جس نے اپنی عمر کو ضائع کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ خود کو حضرت میاں کے مزار کے سامنے ظاہر کریں اور امداد کی درخواست کریں یعنی حضرت باقی باللہ کو بیچ میں رکھ کر اہل قبر سے فیض لیں۔ فرماتے ہیں کہ ارواح سے ملاقات اسی وقت قابل اعتبار ہو سکتی ہے جب سالک فنا سے مشرف ہو چکا ہو۔ کیونکہ شرفِ حضوری کے لئے فنا کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور عالم مثال کی سیر کے دوران پیش آنے والے واقعات کی نفی پر زور دیتے ہیں تاکہ اصل مقصد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ ایک اور مرید کو لکھتے ہیں کہ اگر شغل کے دوران سالک کے لئے کشف کا دروازہ اللہ تعالیٰ کھول دیں اور عالم مثالی کی سیر ہو جائے تو سالک ان وقائع کی نفی کرے۔ وہ اپنی نظر اپنے وجود کے دائرے سے باہر نہ ڈالے اور اپنی صفائی اور اپنی فنا میں ہمیشہ کوشش کرے اور جب غیبت ہو جائے (یعنی مکمل نفی ہو جائے) تو اپنے آپ کو اس بے شعوری کے سپرد کر دے اور اگر پھر بھی مثالی صورتیں ظاہر ہوں تو نفی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور یہ کلمۂ بازگشت کہے "اے خدا میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے"۔ فنا سے پہلے جو کچھ بھی دیکھے اس کا اعتبار نہ کرے۔ انسان میں سات لطیفے ہیں جو کُلیاتِ باقی باللہ میں دیئے گئے ہیں:۔

۱۔ لطیفۂ قالبی (جسم) ۲۔ لطیفۂ انفس (نفس) ۳۔ لطیفۂ قلبی ۴۔ لطیفۂ روحی ۵۔ لطیفۂ سِرّی ۶۔ لطیفۂ خفی ۷۔ اور لطیفۂ اخفیٰ۔ روح مظہرِ انسان تمام لطائف کا مجموعہ ہے۔ ہر لطیفہ کے الگ الگ آثار اتنے معتبر ہیں کہ ان کا ظہور سعادت کی خوشخبری ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ " نے طریقہ رابطہ کے لئے اس طرح لکھا ہے کہ سالک دوسرے تمام کاموں کو بھلا کر اپنے تمام قویٰ کے ساتھ رابطہ مقصود کو قلب صنوبری کی طرف پہنچائے تاکہ حق الیقین کا کمال ظاہر ہو۔ کبھی اپنے مریدوں کو لکھتے کہ ہم بھی ان پانچ چھ دنوں میں تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت ہم تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت باقی اللہ " مرشد کی ضرورت اور آداب مرشد بجالانے کو نہایت اہم قرار دیتے ہیں اور ایسے بزرگ سے فیض پانے کو حق تعالیٰ سے فیض یاب ہونے کی نسبت زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خلیفہ تاج الدین " کو تحریر فرماتے ہیں کہ "مقصود حق ہے. اگر ہمارا حجاب درمیان میں نہ ہو تو نورٌ عَلیٰ نور ہے لیکن چوں کہ اللہ کی سنت اس کے واسطے اور اس کی برزخیت کے اعتبار پر ہے لہٰذا اس سے آنکھیں بند کرنا اور درمیان میں نہ دیکھنا عدم ترقی کا موجب بن جاتا ہے (یعنی مرشد کو بطور برکت درمیان میں رکھنا چاہئے) اگر اچانک واسطہ کے بارے میں یقین کی حد تک باطن میں انحراف پیدا ہو جائے (یعنی مرشد کے واسطے کو ضروری نہ سمجھے) تو برکت درمیان سے اٹھ جائے گی۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقش بند " کے متعلق یہ روایت بہت مشہور ہے کہ آپ حضرت

شیخ عبدالقادر جیلانی" کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے اور قبر شریف پر انگلی رکھ کر عرض کیا کہ اے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" ہماری دستگیری فرمائیں تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" نے آپ کو یہ القاء فرمایا کہ آپ لوگوں کے قلب پر "اللہ" کا نقش باندھ دیا کریں۔ اس طرح کرنے سے ان کے دلوں میں ماسوائے اللہ کا نقش مٹ جائے گا اور ایسے نقش کرنے کی نسبت سے آپ کو نقشبند کہا جائے گا۔

حضرت معین الدین" اور دیگر اولیائے کرام کا حضرت علی ہجویری" کے مزار پر چلہ کشی کرنا ہر خاص و عام کے علم میں ہے بلکہ حضرت علی ہجویری" نے کشف المحجوب میں اہل قبور سے گفتگو کرنے اور فیض یاب ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ خواجہ خواجگان حضرت بہاؤالدین نقشبند" کے پاس ان کے مرید شیخ نیک رود بخاری" کسی کی شکایت لے کر پہنچے۔ حضرت نے کشف سے معلوم کر کے فرمایا کہ اس وقت تم امیر برہان الدین کی شکایت لے کر آئے ہو۔ شیخ بخاری" نے عرض کیا کہ شیخ برہان الدین" نے ان کے احوال باطنی ایک نظر میں ختم کر دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر برہان تمہاری طرف دیکھے تو اس وقت تم میری طرف متوجہ ہو جانا اور دل میں یہ سمجھ لینا کہ میں نہیں ہوں۔ جو کچھ ہیں حضرت خواجہ ہیں۔ شیخ بخاری" فرماتے ہیں کہ جب میری ملاقات برہان الدین سے ہوئی تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں نے فوراً حضرت خواجہ نقشبند" کا تصور کیا۔ اور کہا میں نہیں ہوں جو کچھ ہیں حضرت خواجہ" ہیں" اسی وقت میں نے دیکھا کہ امیر برہان الدین کا رنگ متغیر ہوا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اس کے بعد انہوں نے کبھی مجھ پر تصرّف نہ کیا۔

حضرت باقی باللہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی شخص کو بیعت کے لئے قبول فرماتے تو پہلے اسے توبہ کرواتے اور اگر اس طالب میں عشق و محبت کا جذبہ ہوتا تو اسے رابطہ اور نگہداشت کے طریقے پر اپنی صورت کا بہ حقیقت جامع امر فرماتے (یعنی فرماتے مری شکل دل میں ہر وقت رکھو) ایسا کرنے سے طالب کو بہت کچھ کشائش حاصل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خواجہ برھان الدین" جو اپنے بزرگوں سے نسبت اور اجازت یافتہ تھے مستفیض ہونے کی غرض سے آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو نگہداشت صورت کے لئے ارشاد فرمایا۔ خواجہ برہان الدین" نے عرض کیا "حضرت یہ طریقہ تو مبتدیوں کے لئے ہے۔ برائے کرم مراقبۂ اعلیٰ کے لئے ارشاد فرمائیں"۔ لوگوں نے کہا کہ جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کریں چنانچہ وہ نگہداشت (صورت کا تصوّر کرنے) میں مشغول ہو گئے ابھی دو روز ہی گزرے تھے کہ ان پر حضرت باقی باللہ" کی نسبت عظیم غالب ہو گئی اور غلبۂ سکر اس قدر ہوا کہ باوجود سنجیدگی اور بڑھاپے کے زمین سے تقریباً دو گز اوپر اچھل جاتے اور ہر طرف دیواروں اور درختوں سے خود کو ٹکراتے اور جو لوگ ان کو پکڑے ہوتے تھے ان کی قوت اس نگہداشت کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئی اور پھر وہ دیکھا جو دیکھا۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر جا کر سلام عرض کرتا ہے تو وہ روح خواہ کسی جگہ پر موجود ہو آنِ واحد میں (بجلی کی رفتار سے تیز) اپنی

قبر پر حاضر ہو جاتی ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ جب ان بزرگوں سے استمداد طلب کی جاتی ہے تو ان کی روحیں حاضر ہو کر مدد فرماتی ہیں۔ آپ نے خود بہت سی روحوں کے حاضر ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبید اللہ ؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ان کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا اور کچھ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ بغداد میں دو ماہ تک رہے ہیں۔ حالانکہ حضرت عبید اللہ احرار ؒ اس دوران کبھی اپنے گھر سے باہر بھی نہیں نکلے۔

خواجگان نقشبندیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں اپنے شیخ سے محبت ہو تو وہ شیخ تمہیں اپنے دیدار سے مشرف کرتا رہے گا اور اگر تمہارے دل میں مرشد کے متعلق تھوڑی سی بھی کراہت پیدا ہو جائے تو فیض کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جس طرح آئینہ سورج کے سامنے ہوتا ہے تو اس کی حرارت کو حاصل کر لیتا ہے اور صورتوں کے تمام حجاب نظر سے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ طریق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ماخذ ہے کہ آپ کو آنحضرت ؐ سے بے انتہا محبت تھی اور اسی رابطہ محبت سے وہ فیض حاصل کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنی تمام عنایات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشات سے مزیّن فرمائے۔ آمین

محرومِ طریقت کا مآل

(منکرین کا انجامِ کار)

مشائخ کبار فرماتے ہیں کہ ہر انسانی وجود وصال الٰہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر زبان تقریر و قال کے لائق ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے کون نا آشنا ہے کہ ہر دماغ بادشاہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر دل اللہ کے راز کہہ سکتا ہے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ ہر پتھر سنگ مرمر نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر پتھر لعل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی جامِ سفال بلوری جام بن سکتا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ہر دل خزانہ الٰہی بننے کے قابل نہیں اور ہر دل محبت پرور نہیں ہو سکتا۔ مشائخ کبار فرماتے ہیں کہ جن کی فطرت میں عاشقانِ الٰہی کے خلاف عناد رکھنا ہو تو وہ خود کبھی عاشق الٰہی اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بن سکتے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

ہر سینہ نشیمن نہیں جبرئیلِؑ امیں کا ۔۔۔ ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیاد
اُس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک ۔۔۔ جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

تصوّف ایک ایسا انعام ہے جو صرف صالحین کو ہی ملتا ہے اور یہ وہ ہدایت ہے جو صرف اسی کو ملتی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرے، چنانچہ مشاہدے میں آیا ہے کہ جو لوگ تصوّف سے منسلک رہے ہیں صرف انہی کے نام صوفیائے کبار کے زمرے میں ہم تک آئے ہیں اور دوسرے لوگوں کے نام اگر لئے جاتے ہیں تو صرف منکرین طریقت کے اعتبار سے ہی لئے جاتے ہیں۔ بزرگوں میں سے منکرِ طریقت کوئی بھی نہ تھا۔

بیعت کی سعادت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کا گریبان جنونِ عشق سے چاک ہو۔ اس شعلۂ محبت میں ہر خس و خاشاک جلنے کے لائق نہیں ہوتا۔ فیوض الٰہی کی سعادت سے محرومی دلوں میں شک و شبہ کا باعث ہوتی ہے اور یہ سعادت ناقص بصیرت والے دل کو نصیب نہیں ہوتی۔ دنیا کو چمکا دینے والا سورج چمگاڈر کا ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالیٰ کے کسی دوست کی دوستی کا انکار کرتا ہے وہ کمینہ ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ اسے ملا ہے اس سے چھین لینا چاہیۓ یا پھر وہ توبہ کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ مصرع درست آتا ہے۔

زادی بہ حجاب اندر، میری بہ حجاب اندر
(تو حجاب میں ہی پیدا ہوا ہے اور حجاب میں ہی مر گیا ہے)

قرآن میں لوگوں کی تین اقسام

اللہ تعالیٰ نے سورہ الواقع میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اصحابِ یمین:

یہ لوگ ہدایتی علم کے پیرو ہیں۔ ان کی عاقبت میں سلامتی ہے۔ یہ لوگ خالق کو الٰہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں۔ ان کے لئے موت کے بعد جنّت اور مغفرت کا وعدہ ہے۔

۲۔ اصحابِ شمال

یہ لوگ علم اضلالی کے متبع ہیں جو علم نفسی ہے۔ جسے ہویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور ضلالت بتایا گیا ہے۔ یہ لوگ مخلوق کو آلہ مانتے اور جانتے ہیں۔ اپنی مرادوں کو مخلوق سے طلب کرتے ہیں۔ یہ گمراہ اور مغضوبین کا گروہ ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔

۳۔ مقرّبین

یہ لوگ نہ صرف اللہ کا علم رکھتے ہیں بلکہ اللہ کو بھی رکھتے ہیں۔ ان پر سرِّ معیّت کھل گیا ہے۔ وہ اللہ کو اپنے قریب اور اقرب پاتے ہیں۔ اس کو اپنا ظاہر اور باطن پاتے ہیں، اول اور آخر پاتے ہیں وہ اللہ کو محیط پاتے ہیں اور اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان سے اعلیٰ قسم کی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ خالق اور مخلوق کے ربط اور معیّت کا بھی علم رکھتے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔ اور اولیائے کرام نے انہیں مقرّبین میں سے شمار کیا ہے۔ جیسا کہ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں فرمایا ہم صوفیاء کے معنی مقرّبین ہی کے سمجھتے ہیں۔

چند منکرینِ طریقت کی توبہ

اولیائے کرام کے ساتھ منسلک ہونے کی سعادت صرف ان خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے جن کے دل نورِ محبت سے سرشار ہوں اور جو عشق الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

دیوانے ہوں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے خمیر میں بغاوت اور مخالفت کا مادہ ہوتا ہے وہ ان بزرگوں کی ولایت کا اقرار نہیں کرتے۔ وہ قلبی شقاوت کے باعث ان اولیائے کرام کے فیوض سے حاصل ہونے والے کمالات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ عزّالدین عبدالسلام ؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے کی علامت صاف نظر آتی ہے۔ حضرت عزّالدین ؒ بہت بڑے عالم اور صاحب تصانیف تھے اور ابتداء میں صوفیائے کرام کو بدعات پھیلانے والا طبقہ کہا کرتے تھے۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کتاب و سنت کی پیروی کے علاوہ کوئی اور طریق بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک موقع پر ایک مجلس میں مجتہدین، محدثین، فقہاء اور شیوخ جمع تھے تو شیخ عزّالدین ؒ بھی آپہنچے۔ امام قشیری ؒ سے رسالۂ تصوّف کی عبارتوں کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ اس دوران شیخ ابوالحسن شاذلی ؒ بھی تشریف لے آئے۔ علماء نے انہیں خطاب کے لئے فرمائش کی۔ شیخ نے تصوف کے متعلق جو تشریح شروع کی تو شیخ عزّالدین عبدالسلام ؒ کی یہ حالت تھی کہ بے اختیار پکار اٹھے کہ سنو! سنو! یہ وہ کلام ہے جو ابھی ابھی بار گاہِ خداوندی سے نازل ہوا ہے اور جس سے حقانیت کے انوار چمکتے نظر آرہے ہیں۔ بالآخر آپ نے ابوالحسن شاذلی ؒ کی بیعت کی اور ان کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے اور خود بھی صاحب کراماتِ اولیاء میں سے ہوئے۔ آپ کا قول ہے کہ فقراء کے طریقے کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوا ہے۔ برخلاف اس کے ہم نے کسی فقیہہ سے کوئی کرامت ظاہر ہوتے ہوئے نہیں دیکھی۔ جو لوگ فقرا کی کرامات کے منکر ہیں وہ ان کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو اولیائے کرام کے طریقے کو جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور ان پر غضبِ خداوندی اور راندۂ درگاہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ یہ بات اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ (خزینۂ معارف)

جب تک انشراح قلب نہ ہو تو کسی کی سمجھ میں تصوّف کے اسرار و رموز کی حقیقت جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ ایسا شخص ہمیشہ طریقت کی دولت اور برکات سے محروم رہتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا سینہ کھول نہ دے وہ اسلام کو قبول نہیں کر سکتا۔ ایسے لوگوں کا سینہ اللہ تعالیٰ تنگ کر دیتے ہیں اور وہ اسلام کے معمولی اور آسان مسائل پر بھی جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔ اسلام کی روح ان تنگ سینے والوں کے فہم میں نہیں آسکتی اور وہ حجت سے باز نہیں آتے۔ ایسے شخص محض ظواہر کو دیکھتے ہیں اور اشیاء کے باطن پر ان کی نظر نہیں جاتی۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کی آیات کے معنی بھی بدل دینا بعید نہیں۔ ابن جوزی کی توبہ کا واقعہ نیچے دیا جارہا ہے۔

انشراحِ صدر ہو تو حقائق کھلتے ہیں

اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب تک انشراحِ صدر نہ ہو تو دینی معاملات کے حقائق سمجھ میں نہیں آسکتے۔ تفرقہ بازی سے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تاریک دل

انسان اگر کسی بات پر اڑ جائیں تو پھر ان کو راہ راست پر لانا آسان بات نہیں اور وہ اپنی ضد پر قائم رہنے کی وجہ سے صحیح عقیدہ اختیار نہیں کر سکتے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سینے کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے تو فرمایا کہ جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو وہ (سینہ) کھل جاتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب پوچھا گیا کہ اس کی علامت کیا ہے تو فرمایا دار الخلود (آخرت) کی طرف متوجہ ہونا اور دار لغرور (دنیا) سے دور ہونا اور موت کے لئے اس کے آنے سے پہلے آمادہ رہنا۔ اہلِ طریقت کا مطمعٔ نظر بھی یہی ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جسے اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے۔ اس کو سمجھایا بھی جائے تو وہ ہرگز اثر قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ خیر کثیر (تصوف) سے دور رہتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے شخص کو دیکھو کہ دنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے اور کم گوئی کرتا ہے تو اس کے نزدیک ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے۔ صوفی کے لئے من جانب اللہ دل پر انوارِ الٰہی وارد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے بصیرت ملتی ہے اور اسی کی وجہ سے کشفِ حقائق اور رموزِ معرفت کی رحمت، عالم قدس سے اس پر برستی ہے۔ جو لوگ مشائخ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ اس بصیرت سے محرومی کے شکار رہتے ہیں. اور جب انہیں اولیائے کرام سے ایسی بصیرت مل جائے تو اپنی سابقہ روش سے باز آ جاتے ہیں۔

ابنِ جوزی نے صوفیائے کرام کے خلاف بہت کتابیں لکھیں اور حضرت غوث الاعظمؒ پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے۔ ابنِ جوزی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگاؤ۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کے نشان اور درد کو بھی محسوس پایا۔ آپ نے اس خواب کے بعد فوراً توبہ کی اور حضرت غوث الاعظمؒ کے حضور حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے تصوف کی حمائت میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن مخالفین طریقت ابھی بھی ان کی پرانی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ (تربیتِ عشاق)

روحانیت میں ترقی کے راز

روحانیت میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے کچھ ایسے راز ہیں جو عموماً اہل طریقت پر بہت مدت کے بعد کھلتے ہیں۔ یہ راز اگر طریقت پر چلنے والوں پر ان کے اولین ایام میں کھول دیئے جائیں تو ان کی آخری منزل کی بلندیوں میں بہت نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے لہٰذا اپنے قارئین کے لئے ایسی باتوں کی نشان دہی کی جارہی ہے جو عام طور پر ایک طویل عرصے کے بعد سمجھ آتی ہیں۔

اصل مضمون کو شروع کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ صرف وہی شیخ قابل اقتداء ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زبان درازی اور گستاخی کرنے والا نہ ہو اور اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہو۔ جو شخص حضرات اہلسنّت والجماعت (مثلاً داتا گنج بخش، مجددّ الف ثانی، معین الدین چشتی، مولانا محمد قاسمؒ موہڑوی، پیر مہر علی شاہ صاحب اور میاں شیر محمد شرقپوری یا ایسے دیگر اولیا) کو ممتاز بزرگ اور "قابل اتباع" نہ جانتا ہو اس کی بیعت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

سب سے بڑا راز

اولیاء کے ساتھ ہمہ وقت ربط رکھنا ہے

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانیت صرف بزرگوں سے ربط رکھنے کا نام ہے۔ مرید کو چاہئے کہ اپنا دلی لگاؤ ہر وقت مشائخ سلسلہ کے ساتھ منسلک رکھے اور اپنی زندگی کو ان کی زندگیوں کے مطابق ڈھالنے کی زبردست آرزو رکھے۔ مرید کو چاہیئے کہ خود کو ان کا ساتھی اور شریک کار سمجھے، ان سے روحانی عقیدت اور محبت رکھے اور ہر وقت خود کو ان کے راستے پر چلنے والا اور ایک ہی روحانی لڑی میں پیوستہ تصور کرے۔ جب کسی بزرگ سے اس قدر ربط پیدا ہو جائے تو اس بزرگ کی صفات بھی مرید کے باطن میں ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گی۔ ایسا مرید اپنے شیخ کا رنگ روپ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ دل میں یہ احساس قائم رکھنے سے کہ میں اسی راہ کا مسافر ہوں جس راہ کے مسافر حضرت بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور حضرت باقی باللہ وغیرہ تھے، مرید کی روحانیت کو تقویت ملتی ہے۔

صاحب حضرات القدس جناب علامہ بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ بارہ سال کی عمر میں تھے کہ عشاء کی نماز خرقان میں جماعت کے ساتھ پڑھ کر حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پرانوار پر جاکر کھڑے ہو جاتے اور آپ کی روح پر فتوح سے برکات وافاضات کے منتظر و مراقب رہتے اور کہتے کہ خدایا جو تو نے بایزیدؒ کو دیا ہے ابوالحسنؒ کو بھی عنایت فرما۔ اس کے بعد آپ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز خرقان میں واپس آکر پڑھ لیتے۔ بایزیدؒ کے ساتھ عقیدت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بایزیدؒ ہم میں ایسے ہیں جس طرح فرشتوں میں جبریل علیہ السلام ہیں۔ عقیدت جس قدر ہو گی مقام کا تعین بھی اسی کے مطابق ہو گا۔ اگر عقیدت میں کمی ہو تو فیوضات میں ترقی کا سوچنا بھی خطا ہے۔

روحانیت کے دیگر کلیدی نکات

بزرگوں کے ساتھ ربط و عقیدت کے علاوہ حسب ذیل نکات پر عمل پیرا ہونے سے بہت اچھے نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ سالک کو چاہئے کہ ان نکات کو اہم تصوّر کرے۔

ا۔ پابندیٔ شریعت اور شیخ سے محبت

جو لوگ نماز و روزہ اور دیگر ضروری احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ روحانیت میں کچھ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کو عملیات کے شغل کے ذریعے اگر کچھ حصہ مل جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر دو چیزوں میں فطور نہ ہو تو غم کی ضرورت نہیں۔ ایک اتباعِ شریعت اور دوسرے اپنے شیخ سے محبت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تب بھی ڈر کی بات نہیں۔ آخر اسے ضائع نہیں کریں گے۔ اگر خدانخواستہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اللہ کے آگے آہ وزاری کر کے ان دونوں پر استقامت کی دعا کرتے رہیں۔

یاد رہے کہ مرید اگر پیر کی ذات سے محبت نہیں کرتا تو اس کے لئے کمالات کا حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ پیر اگرچہ مرید سے محبت بھی کرتا ہو مگر جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہو گی تو روحانیت والی بات ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر مرید کے تمام مشکل کام درست ہو جائیں تو مرید کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور جونہی کوئی کام مرضی کے مطابق نہ ہو تو مرید صاحب اپنے پیر سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ ایسا خیال کرنا مرید کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ اگر ایک سو میں سے پانچ کام نہ بھی ہوئے تو کیا ہوا۔ تمام بزرگ ہمیشہ مشکلات میں گرفتار رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے طویل مدت تک مصائب میں مبتلا رکھا اور تمام انبیاء مشکلات کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ اگر مرید کا کوئی کام رک گیا تو کیا مصیبت ٹوٹ پڑی۔ بیعت تو وصل الٰہی کے لئے ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی

کاموں کو درست کرنے کے لئے۔ اگر ایسی کسی بات پر مرید کے دل میں ذرہ برابر بھی میل آگیا تو روحانی ترقی کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ شیخ کے ساتھ کامل محبت ہو تو دینی مراحل طے ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی مرادیں بھی بر آتی ہیں اور اگر کوئی مشکل کام رہ بھی جائے تو اس میں کچھ مرید کی بہتری کا سامان ضرور ہوتا ہے۔

حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ شریعت اگرچہ ظاہر کا عمل ہے مگر روحانی عروج باطن سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اگر ظاہر شریعت کا مکلّف ہے تو باطن بھی اس کا گرفتار ہو گا۔ باطن کو ظاہری اعمال سے عظیم مدد پہنچتی ہے چنانچہ باطنی ترقی شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ اسی طرح باطن بھی ظاہر کو کمال تک پہنچانے والا ہے مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خیال دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر جھوٹ کی نفی مشقت اور تکلف سے ہے تو یہ طریقت ہے اور بغیر تکلف کے جھوٹ نہ بولے تو اسے حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہوا کہ جو لوگ شریعت سے اجتناب کرتے ہیں اور نماز و روزہ کی پابندی سے بھی محروم ہیں تو ایسے جھوٹے پیر بزرگی کے پاس بھی نہ پھٹک سکیں گے البتہ عملیات کے بل بوتے پر اگر کچھ کمالات پیدا کر سکیں تو یہ اور بات ہے ایسے لوگ بزرگی کی حقیقت سے خالی رہتے ہیں۔

۲۔ دائمی حضور

چند صفحات قبل ''صوفیاء کا دائمی حضور'' کے عنوان سے کافی تفصیل دے دی گئی ہے۔ دائمی حضور کو قائم رکھنا روحانیت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی ضروریات میں سے ہے۔ بار بار حضور قلب کی مشق ہو تو بالآخر دائمی حضور میسر ہو جاتا ہے۔

۳۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق اولیاء

جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ ان کے عشق میں ڈوبے ہوتے ہیں ان کی محبت ہی اہل طریقت کو نفع بخشتی ہے۔ راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ع ڈوبے رہو حضورؐ کی الفت میں رات دن
اس عشق میں لقا ہے خدائے وھاب کی

۴۔ اوراد اور وظائف کی پابندی

مُرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق اوراد اور وظائف کی کثرت

کرے اور ان کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اگر کثرت سے اوراد و وظائف کی پابندی نہیں ہو گی تو روحانیت کا پیدا ہونا بہت دور کی بات ہو گی۔

۵۔ اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی سے معمور رکھنا

روحانی ترقی کا مدار ذکر سے پیدا ہونے والی کیفیات اور احوال پر انحصار کرتا ہے۔ ذکر پاس انفاس اور وقوفِ عددی پر خصوصی توجہ دیں۔ جب تک ذکر کی گرمی کافی مقدار میں نہ پہنچائی جائے تو روحانیت کا چراغ کبھی بھڑک نہیں سکے گا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنا چراغ خود ہی بھڑکایا ہے کیونکہ دستِ کلیم اِس زمانے میں زیر آستین چھپالیا گیا ہے۔ لہٰذا ذکر سے خوب گرمی پیدا کی جائے۔

۶۔ صحبتِ اولیائے کرام

صحبت سے جو بات میسر ہوتی ہے وہی بات عملی کیفیات پیدا کرتی ہے لیکن صحبت ایسے شخص کی نہ ہو جو محض عالم ہو اور بزرگی سے تہی دامن ہو۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۷۔ مطالعۂ کتبِ روحانی

روحانی کتب کا مطالعہ ہو تو سالک کے دل میں روحانی امور سے آگہی پیدا ہوتی ہے اور پھر ان پر عمل کرنے سے روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم توبذات خود عمل کے لئے کیفیت اور خدا کی معرفت پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا بزرگ نہیں ہو گزرا جو بزرگ ہو مگر عالم نہ ہو۔ علامہ اقبالؒ اپنی آخری عمر میں مطالعہ کے ترک کرنے پر بھی قرآن اور مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے پڑھنے سے گرمئی شوق پیدا ہو جاتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ گرمی پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیئے۔ یہی شوق خود مرشد کا کام دیتا ہے۔ ایک خط میں آپ نے محمد حسین عرشیؒ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیں اور مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہیں کیونکہ صحبت کبھی ایسے نتائج پیدا کر دیتی ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے۔ جوانی کے دنوں میں آپ جب رات کو مطالعہ کرنے بیٹھتے تو اکثر اوقات صبح کی اذان ہو جاتی۔ یاد رکھیں کہ جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے اور خوش گپیوں میں وقت ضائع کرتے ہیں ان کا روحانی معیار بلند نہیں ہو سکتا۔

۸۔ اہلِ قبور کا مراقبہ اور رفتگان کا حضور

حضور قلب کے ذریعہ بزرگانِ اسلاف سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ سیکھا جائے اور عملی طور پر مراقبہ اور حضور کو حاصل کریں۔ روزانہ عشاء اور فجر کے وظائف میں ذکر کے بعد مراقبہ کرنا اور اس کے بعد حضورِ حق یا حضورِ اولیا میں بیٹھنا بزرگوں کا شعار رہا ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کی کتاب "حضورِ قلب" کا مطالعہ کریں۔

۹۔ امتحانِ خویش کرنا

اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اندازہ لگا کر ان کا علاج کرے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب نشان منزل جلد دوم میں عبادت کے باب میں "امتحانِ خویش کن و ہشیار باش" کا مضمون مطالعہ فرمائیں۔ اپنی کوتاہیوں کا علاج اپنے شیخ کے مشورے سے کرے۔

۱۰۔ قوتِ مشاہدہ کی صحت

جب درجِ بالا تمام معاملات کی طرف توجہ دی جائے تو روحانی کیفیات، کمالات اور تصرّفات پیدا ہو جانا معمول کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کمی ہو تو اپنے شیخ سے اس کے متعلق استفسار کرے اور مطلوبہ کمال کے معیار تک خود کو پہنچائے۔ مراقبہ میں خود کو نفی کر دینا ہی کمال ہے۔ کسی شاعر نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے "تو مباش اصلا، کمال ایں است و بس" یعنی تو اپنے آپ کو نہ رہنے دے، بس یہی کمال کی بات ہے۔

۱۱۔ سلسلۂ رشد و ہدایت کو جاری کرے

درجِ بالا کیفیات اور احوال کے حاصل کرنے کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ دین سے دور لوگوں میں اپنا فیض اور ہدایت کا نور تقسیم کیا جائے۔ اس مقام پر پہنچ کر لوگوں کی اصلاح کا کام نہایت زور و شور سے شروع کرنا چاہئے کیونکہ کوئی جس قدر زیادہ لوگوں کی اصلاح کا اہتمام کرے گا اس کے روحانی درجات بھی اسی کے مطابق بلند کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں ایک شخص جو رشد و ہدایت کا بیڑا اٹھاتا ہے وہ اللہ کے نزدیک ایک سو عابدوں (اور بعض روایات میں ایک ہزار یا ایک لاکھ عابدوں) سے بھی بہتر ہے۔ ایسے شخص کے تمام مصائب بھی دور ہو جاتے ہیں اور اس کی دعاؤں میں قبولیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مخلوقِ خدا ایسے لوگوں کے پاس آتی ہے اور منہ مانگی مرادیں پاتی ہے۔

۱۲۔ درویشوں کا سا اسلوب قائم رکھے

مطالعۂ کتب اور صحبتِ اولیاء اختیار کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ دنیا کی زندگی میں درویشوں کا کیا اسلوب رہا ہے لہٰذا اس اسلوب کو عملی طور پر بھی اپنائے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا طالب رہے اور کبھی زمانے کے حوادثات کو برا نہ جانے۔ اگر اللہ کی طرف سے کوئی مراد پوری ہوتی ہوئی نہ دیکھے تو دل برا نہ کرے بلکہ اس کو خدا کی تسلیم و رضا خیال کرتے ہوئے اپنے دل میں کسی قسم کا خیال نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنے بندوں سے جو چاہے کرنے کا حقدار ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کوئی غلطی کرے، تو اس کی سزا کے طور پر کوئی سختی رونما ہو جاتی ہے جسے انسان پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

۱۳۔ سُنتِ الٰہی کو توڑنے کی کوشش نہ کرے

دنیاوی کاموں میں خوب محنت کرو۔ محض دعاؤں پر انحصار نہ کرو بلکہ عملی طور پر کسی چیز کے لئے کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کی امید رکھو اور بزرگوں سے بھی دعا کرواؤ۔ اگر پھر بھی مراد نہ ملے تو دل برداشتہ نہ ہو جاؤ بلکہ اس کو خدا کی رضا کے مطابق سمجھو۔ البتہ اپنی کوششوں میں کمی کا اظہار نہ کرو۔ سنتِ الٰہی اس بات پر قائم ہے کہ جو چیز خدا سے طلب کی جائے اس کے لئے کوشش بھی کرنا ضروری ہے۔

ضرورتِ شیخ پر استدلال

(بیعت کے حق میں دلائل)

مشائخِ کبار کی عبارتوں سے ملنے والے دلائل

روحانی دنیا میں ایک شیخ کی ضرورت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہم عملی زندگی میں ایک ایسے راہبر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس راہ پر گزرنے کا کامیاب تجربہ رکھتا ہو۔ علوم دین اور اسلامی فلسفہ وغیرہ کے استاد تو بہت مل سکتے ہیں لیکن وہ روحانی معاملات سے تقریباً لاتعلق نظر آتے ہیں۔ مولانا روم ؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے کہ کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا، جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھوں نہیں چڑھتا اور کوئی حلوائی از خود اپنے کام کا استاد نہیں بن سکتا، جب تک کسی شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا۔ فرماتے ہیں کہ میں خود بھی مولائے روم نہ بن سکتا تھا جب تک میں نے شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار نہ کی۔ یہی معنی درج ذیل اشعار میں پائے جاتے ہیں:۔

ہیچ کس از نزدِ خود چیزے نہ شُد
ہیچ آہن خنجرِ تیزے نہ شُد
ہیچ حلوائی نہ شُد استادِ کار
تاکہ شاگردے شکر ریزے نہ شُد
مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزےؒ نہ شُد

ضرورتِ شیخ کے لئے دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ماضی میں کسی ایک ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا کہ جو کسی بزرگ کی بیعت کیے بغیر بزرگی کے رتبے پر فائز ہو گیا ہو۔ جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی سے بیعت ضرور اختیار کی ہے۔

ضرورتِ شیخ پر تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورتِ شیخ کو محسوس کیا اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی نبی یا رسول یا ھادی کو مبعوث فرمایا۔ کوئی زمانہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کوئی ھادی مقرر نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ نبوت ختم ہونے کے بعد بھی ایسے ھادی آتے رہے ہیں۔ لیکن اسلام دشمن کوششوں کے باعث اب ایک جماعت یہ کہنے لگی ہے کہ ہمارے لئے قرآن اور سنت ہی ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ دراصل ان کا یہ انکار قرآن کی اس آیت کا انکار ہے اور اس انکار کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ

اس روحانی ہدایت سے محروم ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے وقتوں میں آنے والے حکیم افلاطون نے اپنے زمانے میں موجود نبی کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ "ہم تو ہدایت یافتہ قوم ہیں ہمیں کسی نبی کی ہدایت کی ضرورت نہیں"۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس بدبخت نے علمِ فلسفہ حاصل کرنے کے بعد خود کو ہدایت یافتہ شخص تصوّر کیا اور ابدی نقصان سے داغدار ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تڑپ رہا ہے فلاطون میانِ غیب و حضور
ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف
ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

ماضی میں رسولوں انبیاء اور اولیا کا اللہ کی طرف سے بھیجے جانے کے عمل سے یہ بات محسوس کی جاتی ہے کہ ہدایت دینے والوں کا ہر وقت میں بھیجا جانا سنتِ الٰہی ہے اور سنتِ الٰہی میں کسی قسم کا تعطّل یا تبدیلی ممکن نہیں ہوتی۔ درج بالا دلائل کے علاوہ تمام اولیائے کبار نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ہر شخص کے لئے کسی شیخ، رہنما یا مرشد کی ضرورت رہتی ہے۔ اس مختصر تحریر میں تمام مشائخ کبار کی رائے کا پیش کرنا ممکن نہیں، البتہ چند ایک مشائخ کبار کے اقوال کا صرف خلاصہ پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ جن لوگوں کی قسمت میں ازلی بدبختی نہیں ان کے لئے ان بزرگوں کے دلائل ضرور رہنمائی کریں گے۔

۱۔ حضرت امام غزالیؒ

آپ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تک نہ پہنچ سکا تو اس لئے کہ وہ اس راہ پر چلا ہی نہیں، وہ اس راہ پر اس لئے نہ چل سکا کہ اس نے اس راہ کی تلاش ہی نہ کی، تلاش اس لئے نہ کی کہ اس کو اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی اور اس راہ سے پہچان اس لئے نہ ہوئی کہ اس کا ایمان مکمل نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس لئے مکمل نہ ہوا کہ وہ مرد راہ دان کی راہبری سے محروم رہا۔ آپ نے دس سال کیلئے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر یہ مدت صرف روحانی تجربات اور تحقیقات کے لئے صرف کی اور آخر کار آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ مشائخ کا گروہ ہی ایسا ہے جس سے لوگ اللہ کی طرف ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ لوگ اسی کام کے لئے اللہ کی طرف سے منتخب ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی اس تحقیق کو احیاء العلوم کی چار جلدوں میں اور المنقذ من الضلال (جس کا ترجمہ "تلاشِ حق" کے نام سے ہو چکا ہے) میں قلمبند فرمایا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم سلوک کا حاصل کرنا بھی فرض ہے۔

۲۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

آپ فرماتے ہیں کہ عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیر اور ایک مرید ہو، ایک مقتداء اور دوسرا مصاحب ہو، ایک پیشوا اور دوسرا پیروکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو استاد بنایا اور فرشتوں کو ان کے تابع کیا۔ دنیا میں انبیاء کو ارسال فرمایا اور کچھ لوگوں کو ان کا جانشین یا حواری بنایا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مرشد اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ یا برزخ ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

۳۔ حضرت داتا گنج بخشؒ

آپ فرماتے ہیں کہ پیرِ کامل کی صحبت کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔ آپ کی کتاب "کشف المحجوب" تصوف کے اسرار سے بھری ہوئی ہے اور اس موضوع پر بہترین کتاب تصور کی جاتی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید اپنے پیر کی راہنمائی کے بغیر تصوّف میں کوئی پیش رفت حاصل نہیں کر سکتا آپ کا قول ہے کہ جب کوئی سالک طریقت میں مجاہدہ سے راہ بنا رہا ہو تو وہ حالت تفریق میں ہوتا ہے اور جب بندہ پر عنایت اور ہدایت حق ہونے لگے تو وہ مقام جمع میں ہوتا ہے۔ علمِ اصول جمع ہے اور علمِ فروع تفرقہ ہے۔

۴۔ حضرت شہاب الدّین سہروردیؒ

آپ نے "عوارف المعارف" میں تصوّف سے متعلق مکمل تفصیل باہم فرمائی ہے اور تصوّف کی بہترین کتابوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ عبداللہ بن بشرؓ کے واسطے سے ایک صحیح حدیث کی روایت لکھتے ہیں کہ اگر ایک جگہ بیس یا اس سے زیادہ افراد جمع ہوں اور ان میں ایک شیخ بھی ایسا نہ ہو جو اللہ سے ڈرانے والا ہو تو سب کا معاملہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں کی پیروی کرو اور اس سے مراد مشائخ کرام کے سوا اور کوئی شخص نہیں لیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب سفر میں دو یا تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک امیر بن جائے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ کسی قبیلے میں شیخ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسا کسی امت میں نبی (الشیخ فی قومہٖ کالنبی فی امتہٖ)

۵۔ حضرت عبدالحق محدّث دہلویؒ

آپ نے امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہ کا علم حاصل کیے بغیر تصوّف حاصل کرنے والا زندیق ہوتا ہے اور تصوّف کے بغیر فقہ کا علم حاصل کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔

جس نے فقہ اور تصوف دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہے۔

۶۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ

آپ فرماتے ہیں کہ توحید، رسالت، عقائد، زہد و تقویٰ، مکاشفات، اور ذکر اذکار وغیرہ کی درستگی کے لئے شیخ کا ہونا ضروری ہے اور سلوک کا طے کرنا ایک شیخ کے بغیر ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو وہ شیطان کے پھندوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آرہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی شیخ سے ذکر کا سیکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ طریقہ سلسلے کے بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور اس تعلیم کی ابتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی۔ شیخ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور مریدین کی جماعت کو راہِ حق دکھاتا ہے۔ آپ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اسکا شیطان پیر ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ

آپ کے اس قول کی تفصیل الگ سے لکھ دی گئی ہے کہ ولائت پر فائز ہونے کے بعد سالک پر انوار رسالت کا انعکاس شروع ہو جاتا ہے اور پرتوِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روح کو روشن کر دیتی ہے اور یہ دولت ان کو ملتی ہے جو بکثرت اولیا کی صحبت میں حاضر رہیں۔ فنا القلب، جو اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے، مشائخ کی توسط سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ذکر یا مراقبے سے یہ استطاعت پیدا ہو جاتی ہے کہ مرید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیضان یا القا قبول کر سکے اور دوری کے حجاب الٹ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ایک شیخ کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔

۸۔ حضرت معین الدین چشتیؒ

آپ کی کتابوں میں ضرورتِ شیخ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست جو بیس سال لندن میں گزار چکے تھے۔ اس حدیث کو سن کر کہنے لگے کہ ہمارا تو کوئی پیر نہیں ہے۔ اس پر راقم الحروف نے جواب دیا آپ کا پیر ہے تو سہی۔ پوچھنے لگے میرا پیر کون ہے؟ جواب دیا کہ اس حدیث کے مطابق آپ کا پیر شیطان ہے لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس واقعہ کے آٹھ سال بعد تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کے فرمودات کئی کتابوں پر مشتمل ہیں اور آپ کا تمام کلام تصوّف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ آپ کی تربیت عثمان ہارونیؒ نے کی اور اس تربیت کے دوران اور کسی کو مرید نہ کیا۔ جب تربیت مکمل ہوئی تو معین الدین چشتیؒ کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اور

فرمایا کہ حضور یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ اس کو قبول فرمائیں۔ آپؒ نے قبول فرمایا اور ہندوستان کے ایک شہر اجمیر شریف میں آپ کو منصب ارشاد پر تعینات فرمایا۔

۹۔ حضرت شیخ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ

آپ نے اس بات پر بہت تفصیل سے بات کی ہے کہ آیتِ وسیلہ (وابتغوا الیہ الوسیلہ سورہ المائدہ۔ آیت ۳۵) میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے اور اس وسیلے سے مراد مرشد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اس آیت میں وسیلے سے مراد نیک عمل لیتے ہیں اور مرشد کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کو معلوم نہیں کہ اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو مرشد بدرجۂ اولیٰ ایک وسیلہ ہے۔ آپ نے وہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس میں پاک لوگوں کو کشتی نوح اور دروازۂ حطّہؒ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا قول مشہور ہے جو آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں جو اس میں سوار ہوا پار ہو جائے گا"۔

۱۰۔ حضرت شمسُ الدّین سیالویؒ

آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کے بغیر روحانیت میں ترقی ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پیر کی محبت سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ مرید کو چاہئے کہ خود کو پیر میں محو کر دے تاکہ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کو دیکھ سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت معین الدین چشتیؒ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے تو آپ نے مشاہدہ کیا کہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مرید کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عثمان ہارونیؒ کی روح وہاں پہنچ گئی اور فرشتوں کو عذاب دینے سے منع کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ آپ کے مرید کو اس لئے عذاب دیا جا رہا ہے کہ اس کے اعمال آپ کی ہدایت کے مطابق نہ تھے۔ عثمان ہارونیؒ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے لیکن اس شخص نے اپنا ہاتھ اس فقیر کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔ یہ سن کر فرشتے چلے گئے اور ایک ندا آئی کہ اس شخص کو اس کے پیر کے طفیل بخش دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بزرگوں کی خاطر ان کے عزیزوں کو بخش دینے کا ذکر سورہ الرعد کی آیت ۲۳ میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث اس بات پر ناطق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جن میں سے ہر ایک ستر ہزار ان لوگوں کو بخشوا لے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

۱۱۔ حضرت عبیداللہ احرارؒ

آپ باتصرّف بزرگ تھے اور ہر وقت بادشاہِ وقت کے ساتھ منسلک رہتے تاکہ

بادشاہ کسی قسم کی غیر اسلامی روش اختیار نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہی کام سونپا گیا ہے کہ بادشاہ کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جائے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا میں کسی کو کوئی مرید نہ ملتا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی جسے تو تباہ کرنا چاہتا ہے اسے ہمارا دشمن بنا دیتا ہے۔ آپ صاحبِ تصرّف بزرگ تھے اور آپ کو تصرّف حاصل ہونا اور آپ کی روحانی زندگی کے کمالات طریقت کے اثبات میں دلائل ہیں۔

۱۲۔ شیخ الاسلام ہروی۔ؒ

آپ فرمایا کرتے تھے "الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے تجھے پہچان لیا اور جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا"۔ آپ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ جو اولیا کو پہچان لے وہ خدا کو پہچان سکتا ہے بشرطیکہ کچھ خداشناسی کا رتبہ اس کو پہلے سے حاصل ہو۔ یعنی جو خداشناس نہیں وہی بزرگوں کا منکر ہوتا ہے۔

۱۳۔ حضرت عبدالوہاب شعرانی۔ؒ

آپ نے اپنی تصنیف انوارِ قدسیہ میں بیعت کو واجب قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب باطنی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے تو ان نجاستوں کے دور کرنے کا طریقہ (یعنی طریقت) کا سیکھنا بھی واجب ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی خود بخود اپنی اصلاح کرنے لگے تو اس کو کچھ فائدہ نہ ہو گا اگرچہ ہزاروں کتابیں حفظ کر لے۔

۱۴۔ حضرت عزّالدّین عبدالعزیزؒ بن عبدالسلام۔ؒ

آپ شروع شروع میں اولیا کے منکر تھے۔ جب ابوالحسن شاذلیؒ کا کلام سنا تو چیخ اٹھے کہ لوگو! سنو یہ وہ کلام ہے جو پہلے نازل نہیں ہوا۔ اس کلام سے متاثر ہو کر آپ نے ابوالحسن شاذلیؒ سے بیعت حاصل کی۔ جب آپ کی صحبت سے مشرف ہوئے تو فرمایا کہ گروہِ صوفیا دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں پر صادر ہوتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے اور غضبِ الٰہی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور یہ حقیقت اہلِ مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں۔

۱۵۔ حضرت عبدالعزیز دباغ رح

آپ نے خزینۂ معارف (ابریز) میں علومِ طریقت کے متعلق گوہر افشانیاں کی ہیں اور طریقت کے مختلف پہلوؤں پر بہت زور دار تحریریں لکھوائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ولی کامل انسان کو ایک لحظہ میں واصل باللہ بنا سکتا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں طریقت کے بے شمار رموز و اسرار سے پردہ کشائی کی ہے جس سے طریقت کی صداقت کا علم ہوتا ہے۔ آپ کے کلام سے واضح ہو جاتا ہے کہ نااہل لوگ طریقت کے پاس سے بھی نہیں پھٹک سکتے۔ علامہ اقبال رح فرماتے ہیں۔ ؎

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

۱۶۔ حضرت ابنِ حجر عسقلانی رح

آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کو پکڑنا کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کے عین مطابق ہے۔ جب تک سالک کے نفس پر تشدد کی ضرورت ہوتی رہے تو وہ راہ شریعت پر چلنے والا ہوتا ہے اور جب بخوشی عبادت کرے اور عبادت میں لذت بھی ہو تو یہ طریقت ہے۔ طریقت میں نوبت قال کی بجائے حال پر پہنچ جاتی ہے۔ قال اور حال میں اتنا ہی فرق ہے جتنا صاحبِ قال اور صاحبِ حال میں فرق ہوتا ہے۔ یہی عاشقوں کی جماعت ہے۔

۱۷۔ حضرت ابو سعید ابو الخیر رح

آپ فرماتے ہیں کہ تصوّف میں خدا سے دل کا بلاواسطہ تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ جس نے تصوّف نہ سیکھا وہ نکما ہے۔ مدار طریقت بیعت پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندہ بندگی سے ہے اور اس وقت ہی بندہ ہو سکتا ہے جب تک وہ دونوں جہانوں سے آزاد نہ ہو جائے، یہ سب طریقت کا حصہ ہے۔ آپ نے طریقت پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں۔ آپ ذکر میں رقص فرماتے۔ آپ کا قول ہے کہ ایسا ذکر صرف وہ کر سکتا ہے کہ جب وہ آستین کو اوپر اٹھائے تو عرش اعظم نظر آئے اور جب زمین پر پیر مارے تو تحت الثریٰ تک دیکھ لے۔ آپ کے قول کے مطابق جو لوگ طریقت کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار نہیں ہو سکتا۔

۱۸۔ حضرت مجدّد الف ثانی رح

طریقت پر آپ نے بہت سی کتب تصنیف فرمائیں ہیں اور "مکتوبات" میں تصوّف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مبداء و معاد میں روحانی علوم پر وافر تفصیل فراہم کی ہے۔ آپ نے واصل باللہ ہونے کے طریقے، مرید کا کام پیر کے بغیر دشوار ہونے، تربیتی مراحل کو طے کرنے، قلیل مدت میں

نسبت کی تکمیل ہونے، صحبتِ فقرا سے فیوض و برکات حاصل کرنے، مرشد کی نظروں سے فیضان حاصل کرنے، مرید کے لئے پیر کا برزخ در کار ہونے، اولیأاللہ کا امراضِ قلبی کا علاج کرنے، مرید کو بلند مراتب پر فائز کرنے، طریقت میں شریعت کی متابعت اور شیخ سے محبت کا لزوم ہونے، اولیااللہ کا نسبت کی عطا پر پوری قدرت رکھنے پر بہت طویل تحریریں رقم فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا طریق صحابہ کرامؓ کا طریق ہے۔ کوئی کتنا بڑا پرہیز گار کیوں نہ ہو بزرگوں کی صحبت سے مستثنٰی نہیں۔ پیغمبر بھی اللہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دو سال کے لئے بہلولؒ داناءؒ کی صحبت اختیار کی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں متعدد بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے "سایہ راہبر بہ است از ذکرِ حق" یعنی پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ "جاننا چاہیے کہ میرے پیر اور وصول الی اللہ میں راہنما وہ لوگ ہیں جن کے توسل سے میں نے اس راہِ سلوک میں آنکھیں کھولی ہیں اور ان ہی کی وساطت سے میں نے راہ سلوک کے معاملہ میں لب کشائی کی ہے اور طریقت میں الف اور با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ میں نے مولویت کا ملکہ بھی انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کی طفیل اور معرفت ہے تو وہ بھی ان ہی کے توجہات کا اثر ہے۔ میں نے نہایت کو بدایت میں درج کرنے کا طریقہ ان ہی سے سیکھا ہے۔ میں نے قیومیت کی جہت سے جذب کی نسبت بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ میں نے ان کی ایک نظر سے وہ فیض پایا ہے جو دوسروں کو چالیس دن کی چلہ کشی میں بھی میسر نہیں آسکتا۔ میں نے ان کی گفتگو سے وہ کچھ پایا جو دوسرے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

۱۹۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ

آپ نے "ذکرِ خیر" میں فرمایا ہے کہ بیعت کرنے سے مرید کو دینی، دنیاوی کاموں میں اللہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرید کی ہر چیز کا مالک اس کا پیر ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں پیر پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ مرید کے لئے جان کنی کے وقت مدد کرے تاکہ اس وقت اس کے لب پر ذکر الٰہی جاری ہو جائے اور شیطان اس کا ایمان سلب نہ کر لے۔ فرماتے ہیں کہ پیر منکر نکیر کے سوال کے جواب میں آسانی پیدا کرواتا ہے اور پل صراط پر اس کی مدد کرتا ہے اور بالآخر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل کروانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو مرید دل و جان سے پیر کے عاشق ہوں ان کا معاملہ تو بیان سے باہر ہے۔

۲۰۔ صوفی شعراء

تمام صوفی شعرا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی مرشد کے بغیر راہ طریقت پر چلنا ممکن

نہیں۔ علامہ اقبال کا فرمان ہے " مقامِ شوق صدق و یقین کے بغیر ہاتھ نہیں آتا " اور یقین صحبتِ جبریلِ امین (یعنی شیخ) کے بغیر ممکن نہیں۔ مولانا روم ؒ نے فرمایا کہ ہزاروں کتابوں کو آگ میں پھینک دو اور پھر اپنے دل کا رخ اپنے محبوب شیخ کی طرف پھیرنے سے ہی دین حاصل ہوتا ہے۔ علامہ اقبال ؒ نے فرمایا کہ دین کو کتابوں میں نہ ڈھونڈو۔ علم و حکمت کی بات ہو تو کتابوں میں مل سکتی ہے مگر دین حاصل کرنے کا طریقہ سوائے نظر کے اور کچھ نہیں۔ حضرت سلطان باہو ؒ نے فرمایا کہ بغیر مرشد کے اللہ کی راہ نہیں ملتی۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر ؒ نے بھی اپنے کلام میں اس بات کی تصدیق کی ہے۔ مولانا عطار ؒ، امام رازی ؒ، مولانا سنائی ؒ، شیخ سعدی ؒ حضرت بلھے شاہ ؒ اور میاں محمد بخش ؒ کا پورا کلام ہی مرشد سے فیض حاصل کرنے کے متعلق ہے۔ حضرت مولانا روم ؒ کی مثنوی بھی اسی نظریہ کی حامی ہے غرضیکہ اب تک کوئی صوفی شاعر ایسا نہیں ہوا جس نے طریقت کی زندگی گزارنے سے منع کیا ہو سوائے چند ان علماء کے جو دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ باقی تمام علماء اور صوفیاء ہمیشہ تصوّف کے حامی رہے ہیں۔ حضرت سلطان باہو ؒ اور میاں محمد بخش ؒ کے نظریات اور ان کے کلام کے چند نمونے راقم الحروف کی کتاب "اسلام اور روحانیت" میں سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

i ۔ ابیاتِ باہو میں لطیف اشارات

حضرت سلطان باہو ؒ کو دنیائے روحانیت میں جو مقام حاصل ہے اس سے کون آشنا نہیں۔ آپ کے بلند پایہ عارف باللہ اور عالی مرتبت ولی ہونے کے ناتے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا کلام قرآن اور سنت کے معارف سے لبریز ہے اور آپ کے فرمودات میں قرآن اور حدیث سے متعارض یا متضاد ہونے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ نہیں۔ آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشائخ سے نسبت کا ہونا ہر مسلمان کے لئے ایک نہایت اہم امر ہے بلکہ اس گروہ کے ساتھ لاتعلقی کی زندگی گزارنے والے مسلمان روحِ اسلام کی دولت سے قطعاً محروم رہتے ہیں۔ آپ کے افکار کے مطابق ایک مسلمان کے لئے روحانیت کے بغیر پکا اور سچا مسلمان بننا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔

حضرت سلطان باہو ؒ نے ابیات اور دیگر تصانیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر مرشد سے محبت کرنے اور اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر فیض حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ آپ نے اپنے کلام میں ایک نہایت پروقار فقر، صوفیانہ بلند ہمتی اور خودگری کے نمونوں کو مریدوں کے لئے پیش کیا ہے تاکہ وہ طریقت کے اغراض و مقاصد کو سمجھ سکیں۔ حضرت سلطان العارفین ؒ اپنے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ سے براہ راست تعلق رکھنے، رشد و ہدایت کی زندگی اختیار کرنے، مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا دم بھرنے کی تلقین کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے کلام میں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

"عاشق ہوتے عشق کما ، دل رکھیں وانگ پہاڑاں ہُو
جتھے پون غضب دیاں لہراں قدم اٹھائیں دھریئے ہُو
جس دُکھ تھیں سُکھ حاصل ہووے اس تھیں مول نہ ڈریئے ہُو
جس مُرشد تھیں نہیں ہدایت ، اوہ ہادی کیہ پھڑنا ہُو"

آپ کے اشعار عام فہم اور سادگی کے زیور سے آراستہ ہیں اور ان کا ایک ایک بند اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مرید کے لئے شیخ سے وابستگی کیوں ضروری ہے اور وہ اس وابستگی سے کیا کچھ حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے ابیات کے پہلے شعر کو ہی لیجئے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہرجائی ہُو
اندر بوٹی مشک مچایا جان پھُلاں تے آئی ہُو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہُو

درج بالا کلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیخ اپنے مرید کے دل کے کھیت میں اسم ذات کے ذکر کا ایسا پودا لگا دیتا ہے جس سے اس کے روح، دل اور دماغ سراسر معطر ہو جاتے ہیں اس پودے کو نفی اثبات کے ذکر کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور جب یہ پودا پھول دینے لگے تو معارف و افکار کی خوشبو کا ایک طوفان امنڈ آتا ہے جس سے وہ قدرت کے دلکش مناظر کی سیر کرتا ہے۔ مرید اپنے ایسے مرشد کے لئے درازی زندگی کی دعا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو اس کے دم سے یہ کمال حاصل ہوا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نہ میں جوگی ، نہ میں جنگم ، نہ میں چلہ کمایا ہُو
نہ میں بھج مسیتی وڑیا نہ تسبا کھڑکایا ہُو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہ فرمایا ہُو
مرشد سوہنی کیتی باہو پل وچ چابخشایا ہُو

ان اشعار میں آپ نے ہر مسلک سے بے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے اور رسمی عبادتوں سے فرار، دوامِ ذکر اور یادِ الٰہی میں استقرار حاصل ہونے کا ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان تمام معاملات کو طے کرنے کے بعد مرید کو بخشش کا مژدہ دیا جاتا ہے ایک اور جگہ فرمایا کہ حقیقتاً مرشد ایسا ہی ہونا چاہئے جو رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دلا سکے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ایسے مرشد میں کوئی خوبی نہیں۔

پیر ملے تے پیڑ نہ جاوے ، ناں اس "پیر" کیہ دھرنا ہُو
مرشد ملیاں رشد نہ من نوں اوہ مرشد کیہ کرنا ہُو
جس ہادی تھیں نہیں ہدایت اوہ ہادی کیہ پھڑنا ہُو
سر دتیاں حق حاصل ہووے موتوں مول نہ ڈرنا ہُو

مرشد اوہ پھڑیئے جیہڑا دو جگ خوشی دکھائے ہُو
اول غم ٹکرے دا میٹے وت رب دا راہ سمجھائے ہُو
کلّر والی کندھی نوں چاچاندی خاص بنائے ہُو
جس مرشد اتھ کجھ نہ کیتا اس نوں ندی رڑہایئے ہُو

مرشد سے بیعت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ عبادت میں خدا کی حضوری میسر ہو جائے اور خدا کو راضی کرنے کے طریقے بے نقاب ہو جائیں۔ اس کے علاوہ مرشد مریدین کو ان کی اپنی اور نفس کی معرفت سکھاتا ہے اور ایسی عبادت کا طریقہ سکھاتا ہے کہ عبادت سے پہلے مرید کو مقصودِ عبادت سے آگاہی حاصل ہو جائے محض عبادت اور تسبیحات سے کام نہیں بنتا۔ جب تک مرید کے ذہن میں عبادت کا صحیح تصوّر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک نمازی کو نماز سے مطلوبہ فوائد مرتب نہیں ہوتے۔ جب تک مرید خدا کو دل کی آنکھ سے دیکھ کر سجدہ نہ کرے اسے قرب باری تعالیٰ کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا اس وقت تک نہیں ملتا جب تک سالک اپنی نیت اور زاویۂ نگاہ درست نہ کر لے۔ اپنے دل کا محرم ہونا اور کائنات کی تسخیر اسی وقت ممکن ہے اگر کسی کامل، مکمل راہ دان اور رہبر پیر کی راہنمائی حاصل ہو جائے ورنہ خار دار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ نیچے دیئے گئے اشعار سے یہی معنی مقصود ہیں۔

تسبیح پھِری تے دل نہ پھریا، کِیہ لینا تسبیح پھڑ کے ہُو
علم پڑھیا تے ادب نہ سکھیا، کِیہ لینا علم نوں پڑھ کے ہُو
چِلّہ کٹیا کجھ نہ کھٹیا، کِیہ لینا چلّیاں وڑ کے ہُو
جاگ بنا دودھ جمدے ناہیں بھاویں لال ہوون کڑھ کڑھ کے ہُو
باجھ حضوری نئیں منظوری پئے پڑہن بانگ صلاتاں ہُو
روزے نفل نماز گزارن، پئے جاگن ساریاں راتاں ہُو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے، پئے کڈھن سئے زکاتاں ہُو
باجھ فنا رب حاصل ناہیں، نہ تاثیر جماتاں ہُو

آپ فرماتے ہیں کہ خدا کا ملنا ظاہری عبادات سے نہیں ہوتا بلکہ نیت کا خالصتاً للہ ہونا اور ذوقِ عبادت کا غلبہ ضروری ہے۔

جے ربّ نہاتیاں دھوتیاں ملدا، ملدا ڈڈواں مچھیاں ہُو
جے ربّ ملدا مون منایاں مل دا بھیڈاں سسیاں ہُو
جے رب جتیاں ستّیاں ملدا، ملدا داندان خصیاں ہُو
رب انہاں نوں ملدا باہو نیتاں جنہاں اچھیاں ہُو

نیچے دیئے گئے اشعار میں کائنات کے طبقات کی وسعت اور دل کی گہرائیوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان کی گہرائیوں کو وہی پا سکتا ہے جو ان رازہائے پنہانی کا محرم

ہو۔ ان رازوں کی نشاندہی سوائے مرشد کامل کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

دل دریا سمندروں ڈونگھے، کون دلاں دیاں جانے ہُو
وچے بیڑے وچے جھیڑے، وچے ونجھ مہانے ہُو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ہُو
جوئی دل دا محرم ہووے سوئی ربّ پچھانے ہُو

حضرت سلطان باہُو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو پانا چاہتا ہے تو وہ اسے مقامات، عبادات اور علوم کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ خدا قیودِ زمان و مکاں سے مبّرا ہے۔ البتہ اگر کوئی کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ لے تو وہ چونکہ خود بھی خدا رسیدہ ہوتا ہے اس لئے خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نفس کو قابو میں رکھنا کتابی علم کو حاصل کرنے، قرآن حفظ کرنے اور فاضل علوم دین ہو جانے سے ممکن نہیں۔ نفس کی سرزنش کرنا اور اپنے من کے چور پر نظر رکھنا تو صرف کسی پیر اور فقیر کی مدد کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔

نہ ربّ عرش مُعلّےٰ اُتّے نہ ربّ خانے کعبے ہُو
نہ ربّ علم کتابیں لبھّا، نہ ربّ وچ محرابے ہُو
گنگا تیرتھ مول نہ ملیا پینڈے بے حسابے ہُو
جد دا مرشد پھڑیا باہو چھٹے سب عذابے ہُو
اللہ پڑھیوں، حافظ ہویوں، نہ گیا حجابوں پردا ہُو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویوں بھی طالب ہویوں زردا ہُو
لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں پر ظالم نفس نہ مردا ہُو
باجھ فقیراں کوئی نہ مارے ایو چور اندر دا ہُو

حضرت سلطان العارفین ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام وہی لیتا ہے جس کا نفس اس کے تابع ہو اور وہ نفس کی سواری کرتا ہو چہ جائیکہ نفس اس کے اعصاب پر سوار ہو۔ جو لوگ ذرا سی بات پر لالچ میں آکر اپنی عبادت کو نفس کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں وہ نفس کی سواری کب کر سکتے ہیں؟

اوہو نفس اساڈا بیلی جو نال اساڈے سِدّھا ہُو
جو کوئی اس دی کرے سواری نام اللہ اس لِدّھا ہُو
زاھد عابد آن نوائے جتھ ٹکڑا ویکھن تھدّھا ہُو
راہ فقر دا مشکل باہو، گھر ماںنہ سیرا ردّھا ہُو

ایک جگہ فرمایا کہ عبادات اس وقت تک سالک کو مقامِ ولایت کی بلندیوں پر لے جانے سے قاصر ہیں جب تک وہ رسمی تسبیحات میں الجھا رہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تسبیح کی بجائے دل پھر جائے۔ مگر دل کی اصلاح کرنا تو شیخ کامل کے بغیر متصوّر نہیں۔

تسبیح دا توں کسبی ہویوں ماریں دم ولیاں ھُو
دل دا منکا ہک نہ پھیریں، گل پائیں پنج ویہاں ھُو

درجِ ذیل اشعار میں ازدیادِ شوق میں دیدارِ مرشد کا نہایت بے چینی سے اظہار کیا جارہا ہے اور فرماتے ہیں کہ شیخ (چونکہ ہر نیک عمل کی بنیاد قائم کرتا ہے اس لئے اس) کا دیدار حجِ بیت اللہ سے کم نہیں اور مرید کا اس کے بغیر کوئی جائے قرار بھی نہیں ہے۔

ایہ تن میرا چشماں ہووے، مرشد ویکھ نہ رجاں ھُو
لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں، ہک کھولاں ہک کجّاں ھُو
ایناں ڈھٹیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجیاں ھُو
مرشد دا دیدار ہے مینوں لکّھ کروڑاں حجّاں ھُو

کبھی حضرت سلطان باہوؒ اپنے مرشد سے مدد کے لئے یوں فریاد کرتے ہیں۔

سن فریاد پیراں دیا پیرا عرض سنیں کن دھر کے ھُو
بیڑا اڑیا وچ کپراں جتھ مچھ نہ بہندے ڈر کے ھُو
شاہ جیلانی محبوب سبحانی خبر لیو جھٹ کر کے ھُو
پیر جنہاں دا میراں اوہی کدھی لگدے تر کے ھُو

اور پھر یہ بھی فرمایا کہ جب سے مرشد نے کاسہ گدائی دیا اس دن سے ہمیں کوئی محتاجی نہیں رہی اور جب تک مرشد جاگ نہ لگائے اس وقت تک تمام عبادات بھی سطحی اور بے سود رہتی ہے۔

جد دا مرشد کاسہ دتڑا تد دی بےپرواہی ھُو
کیہ ہویا جے راتیں جاگے جے مرشد جاگ نہ لائی ھُو

ii - میاں محمد بخش ؒ کی عارفانہ رموز

پنجاب میں میاں محمد بخش ؒ کھڑی شریف والوں کا پنجابی صوفیانہ کلام بے حد مقبول ہے اور زبان زدِ خاص و عام ہے۔ پڑھنے والے اسے ایک خاص روایتی ترنم سے روحانی محفلوں میں سناتے ہیں۔ آپ ایک نہایت بلند پایہ عاشق، مشہور عالم و عارف اور صوفی شاعر تھے۔ آپ کا کلام موضوعِ گفتگو پر روحانی حقائق کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کرتا ہے کہ سننے والوں کو اس کے مضامین کا الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

میاں محمد بخش ؒ کا کلام کوئی ایسا نہیں کہ انہوں نے خود اپنے پاس سے خیالات کا اظہار کیا ہو بلکہ اس میں آپ نے محض ان باتوں کا چناؤ کیا ہے جو قرآن و حدیث یا مشائخ کبار کے اقوال سے ثابت ہوں اور جن پر تمام صوفیائے کرام کا اتفاق رائے ہو چکا ہو۔ صاحبِ دل لوگوں کو تو قطعاً ان کے اقوال سے اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کلام سچائی، حقیقت، معرفت اور طریقت کے اصولوں کے عین

مطابق ہے۔

اس جگہ آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں جو عوام میں بہت زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک شعر ضرورتِ شیخ، افادیتِ شیخ اور تصرّفِ شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

رحمت دا دریا الٰہی ہر دم وگدا تیرا
جے اک قطرہ مینوں بخشیں، کم بن جائے میرا
سب کچھ کیتا یار حوالے، تن من جان بھی تیری
میں کوجھی دا مرشد توں ہیں لاج رکھیں ہن میری
مرشد دا احسان میرے تے سار لئے محتاجاں
ایتھے اوتھے دوئیں جہانیں، پیر میرے نوں لاجاں
پیر دے ہتھ وچ ہتھ نوں دے کے بھید نہ دلدا کھولیں
جیہڑا کلمہ پیر پڑھاوے اوہی کلمہ بولیں
لوئے لوئے بھرلے کڑیئے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمدؐ، گھر جاندی نے ڈرنا
جنہاں عشق نمازاں پڑھیاں اوہ کدے نہ مردے
کامل مرداں دے در جا کے ویکھ لے دیوے بلدے
راہ دے راہ دے ہر کوئی کہندا، میں بھی آکھاں راہ دے
بن مرشد تینوں راہ نہیں لبھنا مرویسیں وچ راہ دے
مالی دا کم راکھی کرنا، پھل پکے ہون یا کچے
پیر مریداں دے سر تے رہندے جھوٹے ہون یا سچے

صحبتِ شیخ اور استمداد از شیخ کے متعلق آپ نے مثالیں پیش کی ہیں فرماتے ہیں۔

برے بندے دی صحبت یارو! جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے، چنگاں پین ہزاراں
چنگے بندے دی صحبت یارو! وانگ دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیئے ہلّے آون ہزاراں
کی ہویا جے میں اوگن ہاری ، بھیڑے عملاں والی
میرے عیب چھپاون کارن، سرکار دی کملی کالی
مینوں یاراں نے آن ڈرایا، رات قبر دی کالی
میں سنیاں میرے آقا نے آونا جیدے موہنڈھے کملی کالی

یہ بات بہت وضاحت طلب ہے کہ مصائب اور آلام کے رفع کرنے میں اولیائے کرام کا کتنا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اس کا مختصر بیان راقم الحروف کی کتاب "اسلام اور روحانیت" کے علاوہ نشان منزل کی جلد دوم حصہ دعا میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کو اس قدر اختیارات دے دیئے ہیں کہ سوائے چند گنتی کے کاموں کے ہر کام کا ہونا یا نہ ہونا اولیائے کرام کے اختیارات میں ضم کر دیا ہے کیونکہ نیابت یا خلافت کا منشا بھی یہی ہے۔ اپنے مقامات کے مطابق ہر ولی اللہ کے اختیارات کا ہونا مشائخِ عظام کی تحریروں سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض کو تو اللہ تعالیٰ نے تقدیر مبرم میں بھی تصرّف کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔

راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ یہ اختیارات مرنے کے بعد بھی بعض اولیائے کرام کو ان کی زندگی سے زیادہ وسیع پیمانے پر دے دیئے جاتے ہیں۔ اہلِ قبور اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کبھی تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ہو جائے گا اور کبھی بالائی سطح سے رجوع کر کے اس دربار سے اجازت نامہ طلب کرتے ہیں۔ میاں محمد بخش ؒ نے ان تمام معاملات کو نہایت پیارے انداز میں بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں:۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے، مشکل رہے نہ کائی
قلم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مردے نوں ربّ قدرت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے
مرد انیندے، مرد تنیندے، کر دے مرد لویراں
سیون مرد، پوشاک بناون، شاد کرن دلگیراں
مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سٹے
دنیاں باغ، ولی وچہ مالی، بوٹے لاوے پٹے
کدھرے پتلا بیج رلاوے کدھرے کرے گھنیرا
کدھرے تھوڑا پانی لاوے کدھرے دے ودھیرا
ڈالی قلم کرے اک رکھوں، جادوئے پر جوڑے
پیوند لا بناوے میوہ آپے پھیر تروڑے
ہر ہر بکھے پانی پھیرے، ہر آڈے، ہر بنّے
ہکناں نوں سرراس کریندا، گل ہکناں دے بھنے
دنیاں باغ ، انبر کھوہ وہیندا دینہہ چن وانگن بیلاں
مالی مرد اتے رب مالک ، بھور عاشق وچہ سیلاں
غیر کولوں میں کیونکر منگاں، خصّم کنگال نہیں میرا
غوث الاعظم بوہڑ شتابی، تار اساں دا بیڑا

آپ کے کلام کی ایک یہ خاصیت ہے کہ جب کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو اس دوران اگر کوئی طریقت کا مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کو کافی وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں۔ اس طرح آپ کا کلام نوخیز اہل طریقت کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔ اگرچہ ایسے اشعار کافی ہیں لیکن تنگی قرطاس کی وجہ سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جتن جتن ہر کوئی کھیڈے، تو ہارن کھیڈ فقیرا
جتن دا مُل کوڈی پے سی، ہارن دا مل ہیرا
مرد ملے تے مرض گواوے، اوکن دے گن کردا
کامل پیر محمد بخشا، لعل بنان پتھر دا
مردا ہمت ہار نہ مولے، مت کوئی کہے نامردا
ہمت نال لگے جس لوڑن، پائے باہجھ نہ مردا
اَوکھی گھاٹی مشکل پینڈا، واٹ لمبی توں کلّا
جے منزل مقصود نوں پاونا، پھڑ مرشد دا پلّا
ولی اللہ دے، بھانڈا تک کے پاندے خیر حضوروں
جیہڑا پاک، غروروں خالی، سو پُر کر دے نوروں
جے لکھ زہد عبادت کریئے بن عشقوں کس کاری
جاں جاں عشق نہ ساڑے تینوں تاں تاں نبھے نہ یاری
جس دل اندر عشق نہ رچیا، کُتّے اس تھیں چنگے
خاوند دے در راکھی کر دے، صابر، بُھکّے، ننگے
عشق دا جو دارو دَستے، باہجھ ملاپ سجن دے
اوہ سیاناں جاں ایاناں، روگ نہ جانے من دے
عاماں بے اخلاصاں اندر خاصاں دی گل کرنی
مٹھّی کھیر پکا محمدؒ، کُتیاں اگے دھرنی
نیچاں دی اشنائی وچوں کسے نہیں پھل پایا
ککر تے انگور چڑھایا، ہر گچھا زخمایا

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا اپنے مرشد سے ہی ملا ہے۔ مرشد کی صحبت سے حاصل کردہ فیوض کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

میں نیواں میرا مرشد اُچاّ، میں اُچیّاں دے سنگ لائی
صدقے جاواں انہاں اُچیّا اُتوّں. جنہاں نیویاں نال نبھائی
صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازوں
ہک ہک سخن شریف انہاں دا کردا محرم رازوں

چبھی مارلیاون موتی وحدت دے دریاؤں
کھریاں گلاں کھریاں چالاں، دامن پاک ریاؤں
خشخش جتنا قدر نہ میرا اس نوں سبھ وڈیایاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سایاں

۲۱۔ چند دیگر اولیا کرام کے اقوال

مذکور بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیعت کے بغیر راہِ طریقت پر چلنا قطعاً ممکن نہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ حصولِ معرفت سالک کے لئے نہایت ضروری امر ہے اور مشائخ کا اس بات پر اتفاق کہ جب تک معرفتِ الٰہی حاصل نہ ہو اس وقت تک خدا کے گھر کی زیارت فرض نہیں ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ جس کی ولادت دو دفعہ نہ ہوئی ہو وہ ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا (ایک ولادت مادری اور دوسری ولادت روحانی)۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ان اولیائے کرام کے چہرے اس طرح روشن ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

اولیائے کرام کی گفتگو کا ایک ایک حرف اور ان کی طرزِ زندگی کا ایک ایک عمل طریقت کی عظمت، کمال اور بزرگی پر دلائل فراہم کرتا ہے۔ حقیقتاً شریعت کو جاننا ان ہی بزرگوں کے حسب حال ہے۔ کچھ لوگ (جو طریقت کے مخالفین میں سے ہیں) بزرگوں کے طریقوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتباع میں تبعہ تابعین کے بعد ہم کسی کو نہیں مانتے۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ایک قدم بھی رضائے الٰہی کے خلاف نہیں اٹھاتے۔ اس جگہ اولیائے کرام کے کچھ ایسے اقوال پیش کئے جائیں گے جو کسی صورت میں دلائل سے کم درجہ نہیں رکھتے۔

i ۔ طریقت کے اعمال یقین کو بڑھاتے ہیں

طریقت کے اعمال کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ طریقت پوری کی پوری حکمت، معرفت اور یقین کے سوا اور کچھ نہیں۔ اولیائے کرام کا خیال ہے کہ جب تک یقین کامل حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان درست نہیں۔ طریقت میں یقین حاصل کرنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ۳۰ سال تک سخت مجاہدات کئے اور ان مجاہدات کے بعد مجھے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (یعنی ہم (اس سے) اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ق ۱۶) پر یقین ہوا۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ شیوخ مجاہدات اس لئے کرواتے ہیں کہ یقین پیدا ہو اور یقین سے ایمان کامل ہو جائے۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں شکوک اعمال کثیر کو بھی باطل کر دیتے ہیں۔ اور قوی الیقین انسان کا

یقین اس کے گناہوں کو بھی محو (مٹا) کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص اس فرق کو سمجھتا ہے اس سے زیادہ فقیہ اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ تصوّف پورے کا پورا یقین پر ہی گھومتا ہے۔

شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقامِ محبت نورِ یقین سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اگر محبت صحت کے درجے پر آ جائے تو اس وقت قلب پر احوال مرتب ہونے لگتے ہیں۔ محبت ایک ایسا جام ہے کہ اگر حواس پر اس کا اثر ہو جائے تو انسان میں سوز پیدا ہو جاتا ہے اور نفس پر جاگزین ہو جائے تو نفس نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اعمال صالح میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کو مولانا رومؒ نے نفس کش کہا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مرید سے بھلائی چاہتا ہے تو اسے کسی پاک باطن صوفی کے حوالہ کر دیتا ہے اور قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔ ابو عثمانؒ فرماتے کہ مرید جو علوم صوفیاء سے سیکھ کر عمل کرتا ہے تو آخر عمر تک وہ علوم اس کے دل میں حکمت بن جاتے ہیں۔

حضرت ابو الحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ طریقت پر وہی چلتا ہے جس کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور وہ غیر اللہ سے بھاگتا ہو۔ یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ مملوک یعنی طریقت مولیٰ سے دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے۔

ii - طریقت خدمتِ خلق ہے

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اللہ کی ہوتی ہے اور خدمت اس کی مخلوق کی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ دونوں کام اللہ کے لئے ہوتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ عبادت رائیگاں جا سکتی ہے مگر خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔ عبادت کا معیار اس قدر بلند ہے کہ کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ مگر خدمت خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو، مقبول ہوتی ہے۔ طریقت میں لوگوں پر شفقت کرنا اور ان کی خدمت کرنا اولین چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب تک وہ عام لوگوں پر اتنی شفقت نہ کرے جتنی وہ اپنے خاص عزیزوں سے کرتا ہے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ تصوّف بجز خدمت خلق کے اور کچھ بھی نہیں۔

ع طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادہ و دُلق نیست
(طریقت سوائے خدمت خلق کے اور کچھ نہیں
طریقت تسبیح، مصلّیٰ اور گودڑی کا نام نہیں)

iii ۔ طریقت کا دروازہ کھلنا کیسے ممکن ہے

مولانا روم ؒ نے فرمایا کہ شریعت ایک شمع ہے جو راہ دکھاتی ہے اور اس راہ پر چلنا طریقت ہے جب کہ منزل پر پہنچ جانا حقیقت ہے ، چنانچہ عبادت کسی آشنائے طریقت سے ہی سیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش ؒ فرماتے ہیں کہ جس کو اپنے ہم جنس سے سکون حاصل ہوتا ہے تو وہ بلندی حقائق سے گرا دیا جاتا ہے اور جب تک کوئی شخص اپنا اختیار استعمال کرتا ہے، محجوب رہتا ہے۔

ابو علی رودباری ؒ فرماتے ہیں کہ اپنی طبیعت سے منہ موڑ لینے کا نام طریقت ہے۔ کہتے ہیں کہ جو اللہ کا ہو جائے تو تمام کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کا پہچاننا اللہ عزوجل کے پہچاننے سے بہت زیادہ مشکل ہے کیونکہ خدا تو اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے مگر ولی اللہ تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا ہے اس لئے اس کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔

حضرت بایزید بسطامی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اللہ تعالیٰ کے دروازے پر انتظار کیا۔ تیس سال بعد یہ دروازہ کھلا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے علوم تعلیم فرمائے ان میں سے ایک وہ علوم ہیں جن کو ہم نے لوگوں کے سامنے بیان کیا اور دوسرے وہ علوم ہیں کہ اگر ہم ان کو بیان کریں تو لوگ ہمارا گلا کاٹنے کو آئیں (یہی علوم، علوم طریقت ہیں) ۔

حضرت باقی باللہ ؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جہانوں کی سعادت شرعی احکام بجالانے میں ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری اور متابعت کے حاصل ہونے کا بڑا بھاری سبب خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور ان دونوں کی محبت تب حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی محبت اور خدمت حاصل ہو۔ فرماتے ہیں کہ خاصان حق کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اعمال کا ورق خالی رہتا ہے۔

ع بے عنایتِ حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

حضرت باقی باللہ ؒ فرماتے ہیں کہ مرید خواہ پیر سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو وہ اپنے عقیدت مندوں سے کبھی غافل نہیں رہتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیروں کو مریدوں کا خادم بنایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ

یا داؤد اذا رأیت لی طالبًا فکن لہٗ خادمًا — اے داؤد جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔

iv - مردِ خدا کی پہچان

حضرت معین الدین چشتیؒ انیس الارواح کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مردِ خدا وہ ہے جو خدا کے علاوہ کسی کو نظر میں نہ رکھے اور دنیا اور آخرت میں مبتلا نہ ہو۔ جو اس کے پاس ہو اس میں بھی مبتلا نہ رہے اور اگر ایسا ہو جائے تو وہ ایسے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس کے دوست (اللہ) کی ملکیت میں ہے اس بندے کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص نائبِ حق بن جاتا ہے اور رموزِ جزو کُل سے کُلی طور پر آگاہ ہو جاتا ہے اور کائنات میں تصرّف پر اسے تائید حاصل ہو جاتی ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

ع از رموزِ جز و کل آگاہ بود

در جہاں قائم بامر اللہ بود

(وہ رموز و جز و کل سے آگاہ ہو جاتا ہے

اور کائنات پر اللہ کے حکم سے قائم ہو جاتا ہے)

حضرت سلطان باہوؒ عین الفقر میں فرماتے ہیں کہ صاحب مراقبہ چشم زدن میں ارض وسما، عرش و کرسی اور لوح و قلم کی سیر کر لیتا ہے اور فرشتوں کی طرح وہ بھی ان مقامات کی سیر کر کے اپنے وجود میں آ جاتا ہے۔ جب صاحبِ مراقبہ دو آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے تو تمام حجاب سوختہ (جل) ہو جاتے ہیں اور صاحبِ مراقبہ جہاں چاہے چشم زدن میں پہنچ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کعبۂ مقصود اگرچہ ہزار برس کے فاصلے پر کیوں نہ ہو، اگر شوق راہبر ہو تو وہ نصف قدم کے برابر ہے۔

حضرت ابنِ جلاؒ فرماتے ہیں کہ تو اگر فقیر ہے تو تیرا فقر یہ ہے کہ تو کچھ نہ ہو اور اگر تیرا کچھ ہو تو بھی وہ تیرا نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جو نہ کچھ کھاتا تھا اور نہ کچھ پیتا تھا۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ میں ایک طویل سفر کے بعد جب مدینہ شریف پہنچا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں اور آج آپ کا مہمان ہوں۔ آپ نے خواب میں مجھے ایک روٹی عطا فرمائی تو جب میں اٹھا تو نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی اور ایک لقمہ میرے منہ میں بھی تھا۔ میں نے وہ سب کھالی۔ اس روز سے آج تک کم و بیش چالیس سال ہو گئے ہیں کہ مجھے کھانے اور پینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کا طعام اور محبت کا پانی ملے (جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو میرا رب مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے۔ لہٰذا جس کو اللہ تعالیٰ کھلا پلا دے) تو اس کا کیا حال ہو گا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت حسن عسکریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ فقیر کی غذا وہی ہے جو مل جائے، لباس وہ ہے جس سے بدن ڈھانپ لے اور اس کا مقام وہی ہے جہاں چلتے چلتے ٹھہر جائے۔ ان تینوں چیزوں میں اپنا تصرف نہ کرے۔ لہٰذا کہا جاتا ہے درویش کی غذا وجد ہے، اس کا لباس تقویٰ ہے اور اس کا مسکن مقام غیب ہے۔ حضرت ابن الکتانیؒ فرماتے ہیں کہ جب بندے کا نیاز اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو جائے تو سب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کا اللہ کے ساتھ اتنا نیاز ہوتا ہے

جتنا کہ وہ غیر اللہ سے مستغنی ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے جبرائیلؑ کی مدد پر رضامندی کا اظہار نہ کیا کیونکہ آپ نے اللہ کے سوا ہر چیز کو فقر اور عجز کی صفت میں دیکھا اور یہ جانا کہ عاجزوں سے حاجت براری محال ہے۔ فقیر عجز کو وہاں لے جاتا ہے جہاں عجز نہیں ہے حتیٰ کہ حق تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے ہر چیز پر قادر کر دیتے ہیں۔ اس حالت میں وہ اللہ کی غنا سے غنی ہو جاتا ہے گویا اگر کوئی صحیح طور پر اللہ کا محتاج ہو جائے تو وہ غنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں روحانی حال ہیں کہ ایک کا تکملہ دوسرے کے بغیر نہیں۔

فتح الرّبانی میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص عالمان باعمل کی صحبت میں نہ رہے وہ مردود ہے اس کے لئے نہ دلیل ہے نہ اصل۔ فرماتے ہیں ایسے شخص کی صحبت میں رہو جس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے۔ مذکورہ بالا تمام کلام سے طریقت کو اختیار کرنے کے دلائل قائم ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے مردانِ خدا کی شان میں فرمایا ہے ؎

وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زنّاری!

جوازِ بیعت

قرآن اور حدیث کی رو سے

(احکام و استدلال)

۱۔ قرآن سے استدلالِ بیعت

قرآن اور احادیث میں متعدّد بار بیعت کرنے کی طرف اشارات موجود ہیں لیکن منکرینِ بیعت ان آیات اور احادیث میں بھی غلو کرتے ہیں اور ان کی ایسی تعبیر ڈھونڈتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہو۔ ان کی ایسی تاویلیں اولیائے کبار اور بڑے بڑے مجتہدین اور محدثین کی رائے کے سراسر خلاف ہوتیں ہیں۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اتنے بڑے اولیائے کرام کی مخالفت میں ان کا قلم اٹھانا سراسر خسارہ، محرومی اور ہلاکت کا باعث ہو گا۔ ایسے لوگوں کے خلاف رائے قائم کرنا ایسے فعل کے مترادف ہے جیسے سمندر کی لہریں کسی بڑی چٹان سے ٹکرا کر پھر خود ہی پسپا ہو گئی ہوں۔ ویسے بھی اجماعِ امت کے خلاف رائے قائم کرنے پر کفر کا فتویٰ موجود ہے۔ قرآن اور احادیث پر مفصل بحث اس مختصر تحریر میں مشکل امر ہے چنانچہ نہایت اختصار کے ساتھ چند آیات اور احادیث کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ مفصل تفسیر کی یہاں گنجائش نہیں۔

i - سورۂ وسیلہ:۔

سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۳۵ میں بیعت کے متعلق کھلم کھلا حکم دیا جا رہا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُوا۟ فِى سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

(اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو۔ اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ)

اس آیت میں چونکہ خطاب ہی ایمان والوں سے کیا جا رہا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ وسیلہ ایمان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا اور جہاد کا بھی حکم دیا گیا ہے چنانچہ وسیلہ ایمان، تقویٰ اور جہاد کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہی ہو سکتا ہے۔ اولیائے کرام کا فیصلہ ہے

کہ وسیلے سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن منکرین طریقت کہتے ہیں کہ یہاں وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ ان کے اس خیال کے رد میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ بہ درجہ اولیٰ وسیلہ ہوتا ہے، کیونکہ مرید کے سارے کے سارے نیک کام اس کے مرشد کے سبب وجود میں آتے ہیں۔ ابن منظور ؒ، صاحب کشاف ؒ (علامہ زمحشری ؒ)، شاہ ولی اللہ ؒ، شاہ عبدالرحیم ؒ، بایزید بسطامی ؒ، جنید بغدادی ؒ، معین الدین چشتی ؒ، نظام الدین اولیا ؒ کے علاوہ تمام اولیائے کرام (قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی ؒ، مولانا روم ؒ، عطار ؒ اور علامہ اقبال ؒ اس آیت میں مذکور لفظ وسیلے سے مراد شیخ کو ہی لیتے ہیں۔

ii - سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۹

اس آیت میں بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿١١٩﴾ اس آیت کا ترجمہ یوں ہے "اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ" اولیائے کرام کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ صادقین سے یہاں مراد صحابہ کرام ؓ اور تاقیامت آنے والے باعمل علمائے دین، صالحین اور دیگر اولیائے کرام ہیں، جو دل، زبان، نیت، اعمال، عقیدے اور ارادے کے سچے ہوں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ معیّت کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس معیّت سے مراد عقائد اور اعمال میں ساتھ رہنے کے ہیں کیونکہ ایسی معیّتِ قلبی اس قدر مضبوط ہوتی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی۔ یہ معیّت دنیا، برزخ اور آخرت میں کام آتی ہے۔ جو لوگ ان کے ساتھ رہیں گے وہ بخریت منزل پر پہنچ جائیں گے۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ معیّت بیعت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

iii - سورہ البقرہ، آیت ۱۵۱

اس آیت کی تشریح دوسری جگہ (روحانی دنیا کے کمالات کے باب میں) کر دی گئی ہے۔ وہاں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس آیت میں يُعَلِّمُكُمْ کا لفظ دوبار استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ پہلی بار قرآن اور شریعت کا علم دینے کے لئے استعمال ہوا اور دوسری جگہ علم طریقت سکھانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس آیت سے بھی علمِ طریقت سیکھنے کی نشاندہی ہو رہی ہے۔

iv - سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۵۷

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں (اور جنہیں یہ خدا سمجھتے ہیں) وہ تو خود اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون سا بندہ اللہ سے زیادہ قریب

ہے "اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور قرآن کی دیگر آیات میں اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہونا بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں غیر کی عبادت کو منع کیا گیا، لیکن وسیلے پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لئے دعا فرماتے تو اس کی مصیبتیں، بیماریاں اور تنگ دستی دور ہو جاتی۔ لہٰذا اولیائے کرام ؒ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی نیت سے جائز ہے اور وہ طریقہ سوائے بیعت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟۔

v ۔ سورۂ الانعام۔ آیت ۹۱

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو تم ان ہی کے طریقے کی پیروی کرو" علامہ قطب الدّین رازی ؒ کشاف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں اتباع سے مقصود اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کاملہ میں انبیاء کی موافقت کرنا ہے۔ لہٰذا انبیاء کے بعد ان کے جانشینوں کی اتباع کرنے کا حکم اس آیت سے ملتا ہے کیونکہ اس کام میں مشائخ بھی برابر کے شامل ہیں۔ بیعت میں ایسے لوگوں کی اتباع کی جاتی ہے جو واصل الی اللہ ہوں۔

vi ۔ سورہ الفاتحہ

امام رازی ؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف صراط مستقیم کی ہدایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صراط الذین انعمت علیہم فرمایا۔ (یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے نعمتیں نازل فرمائیں) یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرید ہدایت اور مکاشفہ حاصل کرنے کے لئے شیخ رہنما کی اتباع کرے۔ لہٰذا ایسے کامل کی ضرورت ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔ بس اسی کو بیعت کہا جاتا ہے۔

vii ۔ سورۂ لقمٰن آیت ۱۵

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (اور پیروی کرو اس شخص کے راہ کی جو رجوع کرتا ہے میری طرف)۔ اس فرمان میں سوائے اتباعِ شیخ کے اور کچھ مراد نہیں لی جا سکتی۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم شیر بھی ہو، تو جس راہ پر بغیر مرشد کے چلو گے لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جاؤ گے۔ اپنے مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو تاکہ تمہیں اپنے شیخ کی مدد اور لشکر کا علم ہو جائے۔

مذکورہ بالا راہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ اور آپ کے اصحاب کی راہ ہے اور اسی کو مذہبِ سنت والجماعت کہتے ہیں۔ اس آیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

طرف اشارہ ہے کہ جب آپ ایمان لائے تو مکّے کے وہ لوگ جو فہم و فراست اور کاروباری مہارت میں مکّے کے بڑے آدمیوں میں شمار ہوتے تھے، بھی ایمان لے آئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور محبت میں سرشار رہتے ہیں اس آیت میں ان کی پیروی کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں آکر بڑے بڑے سیاہ کار اور بگڑے ہوئے رئیس لوگ بھی اصلاح حاصل کر لیتے ہیں۔ بیعت بھی ایسے لوگوں کی اتباع کا نام ہے۔

viii ۔ سورۂ بنی اسرائیل-آیت ۱۵

اس آیت کا ترجمہ یوں ہے "ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو" قرآن میں جہاں رسول کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ کی طرف سے بھیجا گیا کوئی ہادی یا راہنما ہے جیسے کوئی نبی ہو یا مجدّد صدی ہو یا مجدّد الف صدی (۱۰۰۰ سال) ہو۔ صالحین امت (کامل اولیاء) بھی ہادی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے ہی اولیائے کرام سے بیعت کی جاتی ہے۔

ix ۔ سورہ المزّمّل-آیت ۸

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے "اپنے رب کے نام کا ہمیشہ ذکر کریئے اور سب سے کٹ کر اسی کے لئے ہو رہیئے" ۔ یہ طریقہ صرف اہل طریقت سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ذکر، مراقبہ اور مکاشفہ میں سب سے کٹ کے اللہ کی طرف لو لگائی جاتی ہے اور یہ طریقہ اہل طریقت کے علاوہ کوئی تعلیم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

x ۔ سورۂ الاحزاب۔ آیت ۷۲ (یعنی نور عقل اور نار عشق کا کمال)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی" سورۂ الاحزاب کی آیت ۷۲ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جو امانت زمین اور آسمان قبول نہ کر سکے، اس کو انسان نے بخوشی قبول کر لیا، اس امانت سے مراد احکامِ شریعہ کی بجا آوری کرنا نہ تھا کیونکہ عبادت کرنے پر تو فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی مامور ہیں تو انسان میں اس عبادت کو بجالانے کی فضیلت کیا ہوئی۔ فرماتے ہیں وہ امانت جو انسان کے سوا کسی نے قبول نہ کی وہ تھی "نور العقل" اور "نار العشق" ۔ نور العقل سے انسان استدلال قائم کرتا ہے اور عقلی دلائل پیش کر کے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے، جب کہ نور العشق انسان کے دل میں عشق کی وہ آگ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور بندے کو اکمل

اور مکمل معرفت الٰہی تک پہنچا دیتی ہے، جس کو عالم روحانیت میں مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس امانت کے باعث انسان تجلّیاتِ ذاتِ الٰہیہ کو قبول کر لیتا ہے۔ جب پردے اٹھ جائیں تو طالب اور مطلوب کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہوتا۔ مرزا غالب نے فرمایا ہے۔

وا کر دیئے ہیں عشق نے بندِ نقابِ حُسن
جذ اک نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

ہم جانتے ہیں کہ جنّ اور ملائیک کو عبادت کے بعد تجلّیاتِ صفاتیہ ہی ملتی ہیں کیونکہ وہ تجلّیاتِ ذاتیہ کے برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اذکروا نعمتی فرمایا یعنی ان کو اپنی نعمتوں کے ذکر کا حکم دیا۔ مگر امُتِ محمدیہ ؐ کو اپنی ذات کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ فرمایا فَاذْکُرُوْنِیْ (میری ذات کا ذکر کرو)۔ صفات اور ذات کے ذکر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ کسی کی کوئی صفت اور ذات میں فرق ہوتا ہے چنانچہ علامہ پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی معرفتِ عامہ تو نورُ العقل (علم اور استدلال) سے حاصل ہو جاتی ہے مگر معرفتِ ذاتیہ نور العقل کے ساتھ نورا لعشق کے جمع ہونے سے وابستہ ہے۔ یہی وہ آگ ہے جو کسی شیخ سے ذکر حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور جو حجابات کو اٹھا دیتی ہے اور بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کر کے واصل باللہ کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان صفات کا پیدا ہونا شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔

۲۔ احادیث سے اثباتِ بیعت

درجِ ذیل احادیث میں بیعت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ یہاں صرف حدیثوں کا ترجمہ ہی اختصار کی خاطر دیا جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جو طوالت کے سبب یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ جن احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ سے مختلف مقاصد کے لئے بیعت لی ہے وہ بھی یہاں بیان نہیں کی جا رہیں، کیونکہ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھا جا رہا ہے۔

(i) مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میرے صحابی ؓ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی بھی اتباع کرو کے ہدایت پاؤ گے۔ صحابہ کرام ؓ نے اپنے زمانے میں بیعتِ خلافت کے علاوہ بھی بیعت لی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے جاری کرنے کا عمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا جب کہ دوسرے سلسلے حضرت علی ؓ سے جاری ہوئے۔ ثابت ہوا کہ سلسلہ بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا صحابہ کرام ؓ کا فعل ہے اور ان کے طریقے کو جاری کرنا اور بیعت کرنا افعالِ ہدایت میں شامل ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف مجدّد الف ثانی ؒ نے بھی مکتوبات شریف میں فرمایا ہے دیکھیں مکتوب نمبر ۱۲۳ دفتر سوم حصہ دوم۔

(ii) جامع سبیل اور کنوز الحقائق میں حدیث دی گئی ہے کہ مکان بنانے سے پہلے پڑوسی کی تحقیق کر لو،

سفر سے پہلے ساتھی کی، کوچ سے پہلے زادِ راہ کی۔ مولانا روم ؒ نے لکھا ہے۔

پس تو ہم اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّار جو

گر دلے دارد بَرَو دلدار جُو

(پس تم بھی نیک ہمسائے کی تلاش کرو اور اس کے بعد مکان کی تلاش کرو اگر دل رکھتے ہو تو دلدار کی تلاش کرو)

(iii) سرّ دلبراں میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ میری امت میں ہر صدی کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ ایسا مجدّد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔ اس سے مجدّد صدی اور مجدّد الف سنہ وغیرہ مراد ہیں۔ مجدّد الف ثانی ؒ نے جو کچھ اس کے اثبات میں کہا ہے مکتوبات میں موجود ہے۔

(iv) کنوز الحقائق میں حدیث ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ انبیاء کے وارث مشائخ ہی مراد لئے جاتے ہیں نہ کہ صرف علماء. علماء تو ہندو سکھ، عیسائی اور یہودی مذہب سے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں علماء سے مراد باعمل عالم اور مشائخ کے سوا اور کوئی نہیں۔

(v) حضرت سہیل بن عبداللہ طشتری ؒ نے "معارف المریدین" میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا شیطان مرشد ہوتا ہے۔

اس حدیث کو شہاب الدین سہروردی ؒ نے عوارف المعارف میں، حضرت سلطان باہو ؒ نے عین الفقر اور شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے فتوح الغیب میں بھی نقل کیا ہے۔

(vi) جامع صغیر اور کنوز الحقائق میں حدیث شریف ہے "شیخ اپنی بستی میں ایسے ہوتا جیسے کسی قوم میں کوئی نبی"

(vii) مستدرک میں حدیث ہے کہ میرے اہلِ بیت کی مثال سفینۂ نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اہلِ بیت نوح ؑ کی کشتی کی طرح ہیں، جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا جائے گا۔ یہ سوار ہونا بیعت کرنے سے مراد ہے۔

(viii) مسلم اور احمد کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور تمہارے اعمال پر نگاہ رکھتا ہے۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دلوں کی اصلاح ضروری ہے۔ چنانچہ دلوں کی اصلاح کرنے والے مرشد کی بیعت کرنا بھی ضروری ہوا۔

(ix) مشکوٰۃ کی حدیث میں ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہو سکتا۔ اس میں مشائخِ کرام سے فیض حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُھُمْ)

(x) امداد السلوک میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شریعت میرے اقوال کا نام ہے، طریقت میرے اعمال کا اور حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز

ہے۔ اس حدیث میں طریقت کا ذکر آیا ہے۔

(xi) ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت۔ ایک اور حدیث میں کتاب اللہ اور اہل بیت کا ذکر ہے اور فرمایا کہ اہلِ بیت وہ کشتی ہے جس پر سوار ہو کر تم گمراہ نہیں ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ بیت کی سنگت اختیار کرو جس سے بیعت ہی مراد ہے۔ حضرت مجددؒ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ یہ اللہ والے لوگ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ قوم ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ ان سے تعلق رکھنے والا نامراد نہیں۔ جب ان کو دیکھو تو خدا یاد آ جائے۔ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے خدا کو پالیا۔ ان کی نظر دوا ہے، ان کا کلام شفا ہے، ان کی صحبت ضیا ہے اور رونق بخشتی ہے۔ جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ خائب اور خاسر ہو گیا۔ جس نے ان کے باطن کو دیکھا وہ نجات اور فلاح پا گیا۔ انہی کی وجہ سے بارش نازل کی جاتی ہے اور انہی کے وسیلے سے مخلوقات کو رزق ملتا ہے۔ اس روایت کے بہت سے حصوں کا ذکر حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی کشف المحجوب میں فرمایا ہے اور دیگر تصوّف کی کتابوں میں بھی ان حدیثوں کا ذکر ملتا ہے۔

آدابِ شیخ

(بے ادب بے مراد)

تمام صوفیائے کرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لئے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں اس وقت تک عبادات اور مجاہدات اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ ان اولیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تصوّف سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تصوّف کا مدار عشق پر ہے اور عشق میں اول تا آخر ادب کی ضرورت ہے۔ اگر عشق ادب نہ سکھائے تو وہ عشق نہیں۔ صاحبِ ہوش کے لئے ادب کے بغیر چارہ نہیں۔ سورہ الحجرات میں آداب کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان کے لئے تصوّف ایک زینت اور جمال ہے اور ادب تصوّف کی روحِ رواں ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ادب پر بہت طویل کلام لکھا ہے اور فرماتے ہیں۔

"بے ادب محروم ماند از فضل رب" یعنی بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بے ادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے۔

ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے مگر اطاعت الٰہی میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔ ابنِ معاذؒ فرماتے ہیں کہ سمجھ لو بے ادب عنقریب ہلاک ہو جائے گا۔ جو لوگ ہلاکت میں گرفتار ہیں ادب کے مارے ہوئے ہیں۔ زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ خدمت کے دائرے میں رہ کر ادب خدمت سے بھی بالاتر ہے بلکہ صوفیا کے نزدیک عبادت سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ عبادت رد ہو سکتی ہے مگر خدمت اور ادب ضائع نہیں ہوتے۔

ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں

حضرت ابو الحسن خرقانیؒ نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبر سے تیس فٹ گہری کھودی جائے تاکہ بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ مولانا حسام الدینؒ مولانا رومؒ

کے خاص مرید تھے اور مولانا ان سے مثنوی کے اشعار لکھواتے تھے۔ تبصرہ نگار کہتے ہیں کہ حسام الدینؒ اپنے پیر کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ ان کے گھر میں بول و براز تو کیا وضو کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی آدھی رات کے وقت حسام الدینؒ کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو اپنے گھر جا کر وضو کرتے حالانکہ آپ کا گھر مولانا رومؒ کے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھا اور کبھی برف باری کی وجہ سے راستہ تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ اس بات سے ان کے ادب کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالباً اس ادب کی وجہ سے مولانا بھی حسام الدینؒ کا اس قدر ادب کرتے کہ جس طرح کوئی اپنے پیر کا ادب کرتا ہے۔

ابو علی دقاقؒ جب اپنے شیخ نصر آبادیؒ کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے اور پھر جاتے۔ مگر آپ کے مرید ابوالقاسم قشیریؒ جب ابو علی دقاقؒ کے پاس جاتے تو پہلے روزہ رکھتے پھر غسل کرتے اور پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ اپنے پیر کے دروازے پر پہنچ کر شرم و حیا کی وجہ سے دروازے سے ہی لوٹ آتے اور اگر مدرسے کے اندر داخل ہو بھی جاتے تو بدن پر سنسنی سی طاری ہو جاتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کی مجلس میں بیٹھ بھی جاتا تو سوال کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کوئی نبی بھیج بھی دیتا تو میں اس کا اپنے شیخ سے بڑھ کر ادب نہ کر سکتا۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میرا ان کے ساتھ بہت زیادہ قرب تھا مگر یہ مجال نہ تھی کہ کبھی ان پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا خیال بھی میرے دل میں آیا ہو۔

ابنِ عطارؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے نفس کو بے ادبی پر قائم رہنے دیتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتا تو اس کا نفس مطلق العنان اور سرکش بن جاتا ہے۔ جس کے ظاہر میں ادب نہیں وہ باطنی حسن ادب سے محروم ہوتا ہے۔ ادب ایک ایسی چیز ہے جو انبیاء علیہ السلام اور صدیقین کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مریدین جن میں ادب نہیں پایا جاتا ان کا طریقت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

مرید کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی

کہا جاتا ہے کہ "اَلْمُرِیْدُ لَایُرِیْدُ" یعنی مرید وہ ہے جو خود کچھ نہیں چاہتا۔ ایسا مرید خدا کی رضا کو اپنی رضا سمجھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتا ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ استاد وہ ہے جس سے کسی نے کتاب اللہ کی ایک ہی آیت سیکھی ہو۔ فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے استاد کو رسوا نہ کرے اور نہ غلطی سے بھی اپنے آپ کو اس کے اوپر ترجیح دے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ اسلام سے ایک رشتے کو توڑ لیتے ہیں۔ حضرت ابو علی فارمدیؒ کو حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ نے فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے شیخ کے سامنے "کیوں" کا لفظ بھی استعمال نہ کرے کیونکہ اس لفظ میں اعتراض کی گنجائش ہوتی ہے۔

ادب سے دین ملتا ہے اور مراد بھی

حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے ابتدائی ایّام میں حضرت جعفر صادقؒ کی صحبت میں رہے۔ ایک روز حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ طاق سے فلاں کتاب اٹھالاؤ۔ آپ نے عرض کیا کون سے طاق سے۔ فرمایا اتنا عرصہ تمہیں یہاں آتے ہو گیا ہے اور ابھی تک تمہیں طاق کا پتہ بھی نہیں چلا۔ عرض کیا کہ مجھے اس سے کیا غرض کہ میں ادھر ادھر سر کو اٹھا کر دیکھوں۔ میں تو صرف آپ کی صحبت کے لئے آتا ہوں اور آپ کی طرف ہی متوجہ رہتا ہوں۔ حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اگر ایسا معاملہ ہے تو واپس بسطام چلے جاؤ۔ تمہارا کام ختم ہو گیا ہے۔ یعنی تم نے ادب حاصل کر کے تمام روحانی منزلوں کو طے کر لیا ہے اور اب مزید تربیت کی ضرورت نہیں۔ (غالباً. یہ بات کشف کے دوران ہوئی ہو گی کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک نہ تھا)

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لئے راندۂ طریقت اور نامراد رہتا ہے۔ حضرت مجددؒ، الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اولیائے کرامؒ کے غضب سے بچائے، کیونکہ اولیائے کرام جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل قدرت رکھتے ہیں اسی طرح نسبت سلب کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی میں صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہ جو دے سکتے ہیں وہ لے بھی سکتے ہیں۔ مشائخ سے بے ادبی کرنے والوں کو کسی جگہ سے بھی فیض نہیں مل سکتا۔ اگر کوئی اپنے شیخ سے کسی چیز کے متعلق دل میں شبہ رکھتا ہو تو اسے خود اپنی کوتاہی کی طرف منسوب کرے اور اگر اپنے شیخ کو قصوروار تصوّر کرے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ حضرت مجدّدؒ فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق دل میں برا خیال پیدا کرنا زہر قاتل کی طرح ہے جو اس کی روحانی دنیا کو برباد کر سکتا ہے۔

پیر کی مجلس کے آداب

صوفیائے کرام نے مریدین کو آداب کے لئے سخت تاکید فرمائی ہے اور اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ مرید شیخ کی مجلس میں جائے تو بالکل خاموش بیٹھے جب تک شیخ نہ کہے گفتگو نہ کرے۔ شیخ کے کلام کو غور سے سنے۔ مرید نہ تو بلند آواز سے گفتگو کرے اور نہ زیادہ طویل گفتگو کرے۔ ہنسنے سے پرہیز کرے۔ دل میں اپنے شیخ کے متعلق کوئی برا خیال نہ لائے۔ شیخ کے سامنے اپنا مصلیٰ نہ بچھائے۔ کیونکہ اس میں سجادہ نشینی کی بو آتی ہے۔ مرید اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے سے اصلاح کی توقع نہ رکھے اور صرف ایک شیخ سے ہی وابستہ رہے۔ جس قدر اپنے شیخ سے محبت ہو گی اسی قدر روحانی درجات بلند ہوں گے۔ اور دنیا کی نعمتوں میں بھی اضافہ ہو گا۔ مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ سے کسی کو بزرگ تر نہ تصوّر کرے۔ مرید ایسی جگہ پر نہ کھڑا ہو جہاں اس کا سایہ پیر کے پیرہن یا پیر کے سائے پر پڑے۔ اس کے مصلےٰ پر پاؤں نہ رکھے۔ اس کے وضو کی جگہ طہارت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس

کے کپڑے یا برتن استعمال نہ کرے۔ پیر کی موجودگی میں اسے چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کی طرف متوجہ نہ ہو۔ شیخ کی طرف اپنی پشت نہ کرے اور اس کی قیام گاہ کی طرف پاؤں نہ کرے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ شیخ کی مجلس میں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھتے ہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے ہیں، بلند آواز سے کلام کرتے ہیں اور کسی دوسرے سے مزاح شروع کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ایسا مرید فائز المراد کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا بے ادب شخص جس مجلس میں بھی چلا جائے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ اس کے پیر نے اس کو مجلس کے آداب نہیں سکھائے۔

شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح پر وظیفہ پڑھنا حتیٰ کہ درود شریف پڑھنا، کوئی کتاب یا اخبار پڑھنا انتہائی بے ادبی کی دلیل ہے۔ حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "سایۂ پیر بہ است از ذکر حق" یعنی پیر کے سایہ میں بیٹھنا ذکر حق سے بہتر ہے۔ پیر کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی سب سے بڑی نفلی عبادت ہے۔ شیخ کے سامنے نوافل کا پڑھنا بھی سوئے ادب میں شامل ہے۔ اپنے شیخ کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے پیر یا عالم کو بڑا خیال نہ کرے۔ "مکتوبات لطیف" اور ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں ادب کے موضوع پر لکھی گئی تحریر کا مطالعہ فرمائیں جس میں ادب پر مفصل بیان شامل کر دیا گیا ہے)۔

پیر کی آزمائش نہ کرو

اس زمانے میں بیعت کرنے والے لوگوں میں یہ رجحان عام طور پر پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی حاجات اور مشکلات کو پیروں کے پاس لے جاتے ہیں اور اگر ان کی سب حاجات پوری ہو جائیں تو وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ ان کا شیخ کامل ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی مرید کے دس کاموں میں سے ایک کام بھی ادھورا رہ جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا شیخ کامل نہیں۔ راقم الحروف کے پاس ایک شخص آیا جو ڈی پی ایچ D.P.H کے امتحان کو پاس کرنا چاہتا تھا اور ساتھ ہی بلاوجہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ شخص DPH کے امتحان میں فیل ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کے پرچوں کو دوسرے دو ممتحنوں کے پاس بھیجا گیا جنہوں نے اس کو کامیاب قرار دیا۔ اس طرح وہ فیل شدہ ڈاکٹر پرانے پرچوں کے ایماء پر ہی پاس قرار دے دیا گیا۔ لیکن چونکہ راقم الحروف کی یہ رضا نہ تھی کہ وہ دوسری شادی کرے تو اس شادی میں اسے ناکامی ہوئی اور اس نے فوراً اپنے آپ کو حلقہ ذکر سے باہر نکال لیا۔ اسے بتایا گیا کہ اس نے یہ فیصلہ بہت جلد بازی میں کیا ہے۔ جب وہ ڈاکٹری کے امتحان میں فیل ہو کر پاس کروایا جا سکتا ہے اور اگر کچھ دیر صبر کرتا تو اس کی شادی کے لئے بھی رضامندی کا اظہار ہو سکتا تھا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب بہت پچھتائے کہ واقعی ایسا ہو سکتا تھا۔ لیکن راقم الحروف نے کہا اب تم چونکہ عقیدت کے امتحان میں فیل ہو چکے ہو اس لئے اپنی کوششوں کو الف ب سے شروع کرو تو کامیاب ہو سکو گے۔ مگر وہ ڈاکٹر صاحب اتنی آزمائش کی تاب نہ لاتے ہوئے فرار ہو گئے۔ وہ یہ برملا کہتے تھے کہ میں آپ کے

پاس دو کاموں کے لئے آیا تھا جن میں سے ایک ہو گیا اور ایک نہ ہو سکا لہٰذا میں نے آپ سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایسے لوگ ذکر کی محفلوں میں اللہ کے لئے نہیں اپنے کاموں کے لئے آتے ہیں لہٰذا اللہ کے ہاں ان کو مجلسوں میں آ کر ذکر کرنے کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

عام مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے کاموں کا مدار بہت سارے عوامل پر ہوتا ہے۔ کچھ کام بہت آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ کچھ کام بہت مشکل اور محنت کے بعد ہوتے ہیں۔ کچھ کام ایسے ہیں جو مبرم تقدیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا بدلنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ کچھ کام ایسے ہیں جو نبیوں کے لئے بھی آزمائش کی خاطر مرہونِ وقت ہوتے ہیں اور وقت سے پہلے ان کا ہونا منظور خدا نہیں۔ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نہ ہونے میں انسان کی بہتری ہوتی ہے کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہوتے۔ انبیاء کرام کو بھی بہت تکالیف پہنچیں بلکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ مجھ پر جس قدر مصائب نازل کئے گئے کسی نبی پر بھی نازل نہیں ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شدائد اور مشکلات صرف اللہ کے پیاروں پر ہی نازل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشکلات کے دفع ہونے یا نہ ہونے سے کسی بزرگ یا نبی کے رتبے کا تعین نہیں کرنا چاہیئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کئی سالوں تک غلامی میں مبتلا رہے حالانکہ اس زمانے میں بھی بہت بڑے بڑے بزرگ موجود تھے۔ کچھ کام ایسے ہیں جو قوموں کی نااہلی کے باعث روک دیئے جاتے ہیں اور جب تک قوم اپنی حالت نہ بدلے، ان کے دنیاوی حالات کا بدلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح کئی بار افراد کے کاموں کے لئے دعا قبول نہیں کی جاتی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

ع اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
ع فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مولانا رومؒ نے اس موضوع پر بہت کلام کیا ہے اور ان کے کلام کا لبِّ لباب یہ ہے کہ مرید اپنے کمزور ترازو میں پیر جیسے بڑے پہاڑ کا وزن کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور آخر میں آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرید اپنے پیر کا امتحان کرے تو وہ سب سے بڑا گدھا ہے۔

وہ لوگ جو طریقت میں ناکام رہتے ہیں

کچھ مرید ایسے ہوتے ہیں جو بیعت ہونے کے بعد نہ تو اپنے شیخ سے رابطہ رکھتے ہیں اور نہ ہی بیعت کے آداب بجا لاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جو نماز کی ادائیگی سے بھی محروم رہتے ہیں اور وظائف کا قطعاً اہتمام نہیں کرتے۔ ایسے مرید کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔

طریقت کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے دور کسی مقام پر رہتا

ہے تو بھی اسے سال میں کم از کم چار بار ملاقات کرنا ضروری ہے۔ (امریکہ یا انگلینڈ وغیرہ میں رہنے والے مرید اس تعداد کو پورا کرنے میں معذور تصوّر کئے جاتے ہیں)۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید اس قدر بلند مقام پر فائز ہوتا ہے کہ اس کے اور پیر کے درمیان تمام فاصلے ختم ہو جاتے ہیں اور مرید اپنے پیر سے جب چاہے روحانی ملاقات اور اکتسابِ فیض کر لیتا ہے۔

اپنے مرشد سے عقیدت کا ہونا طریقت کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ اگر پیر کے ساتھ طریقت کے معیار کے مطابق عقیدت درست ہے تو مرید اپنی منہ مانگی مرادیں بھی پوری کر سکتا ہے۔ عقیدت ایک بلینک چیک (خالی چیک) ہے جس پر مرید جو چاہے لکھ سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے "پیر کامل یا یقین کامل"۔ اہل عقیدت کو ہی یقین حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ پر بھی توکل کامل ہو تو کبھی پیر کے وسیلے کے بغیر بھی کچھ مل جاتا ہے۔ مگر توکل کی دولت پیر کے بغیر شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اگر پیر کامل نہ بھی ہو تو مرید اپنے اعتقاد کے باعث اپنی مرادیں حاصل کر لیتا ہے لیکن اگر پیر بھی کامل ہو تو سبحان اللہ۔ یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک پیر اگر کامل ہو تو اس کے بعض مرید بہت اچھی حالت میں نظر آتے ہیں اور بہت سے مریدوں کی حالت عقیدت میں کمی کی باعث ناتسلی بخش ہوتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عقیدت سے محروم لوگ پیروں کے فیض سے بھی محروم رہتے ہیں۔

کچھ مرید اپنے پیروں میں عیب تلاش کرتے رہتے ہیں اور ان کی جانب سے اپنے دل کو صاف نہیں رکھتے۔ اگر ایسا ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ سب سے اچھا مرید دل کی کیفیت بدلنے سے سب سے آخری نمبر پر آ گیا۔ بڑے اونچے مرتبے والے مرید کبھی عقیدت میں کمی کے باعث دھڑام سے سفلی حالت میں بھی گر جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مرید کا اگر کوئی کام پورا نہ ہو تو اس کے دل میں پیر کے متعلق شکوک کا اظہار اس کو لے ڈوبتا ہے۔ یاد رکھیں جس کے دل میں اپنے پیر کے متعلق ذرا سی میل آ جائے تو مرید کا معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شیخ کی ایک بے التفاتی مرید کو اچھے خاصے مقام سے گرا دیتی ہے۔ اگر کوئی شیخ کے متعلق ایسا ویسا خیال بھی دل میں لائے تو وہ پیر کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اپنے شیخ سے محبت کی انتہا کر لینے سے شیخ اپنے مرید کو بلند درجوں پر فائز کر دیتا ہے۔

بیعت کرنے کے بعد وقتاً فوقتاً مرید کی حالت کو دیکھ کر اس کا شیخ کچھ نہ کچھ ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ شیخ کی ان ہدایات پر عمل نہیں کرتے وہ طریقت میں ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ راقم الحروف کا ایک مرید ایک کافی بڑے ہوٹل کو کرائے پر چلاتا تھا۔ جب کاروبار اچھا چمک گیا تو اس نے ہفتہ وار حلقۂ ذکر میں آنا بند کر دیا۔ اس کی اس حرکت پر اسے تنبیہ کر دینے کے باوجود اس نے پرواہ نہ کی۔ آخر کار ہوٹل کا کام تمام ہو گیا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اگر شیخ کی بات پر عمل کرتا تو اس کے کاروبار میں زیادہ برکت ہوتی۔ بسا اوقات انسان روپے پیسے کی لالچ میں اپنا تمام کاروبار تباہ کر لیتا ہے۔

مرید خود کو پیر سے بہتر نہ سمجھے

بعض مرید اپنے آپ کو اپنے شیخ سے زیادہ عقل منداور بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اپنے شیخ کو خود سے بہتر سمجھنا اور اپنے حکم پر اس کے حکم کو مسلط کرنا، اس سے محبت کرنا، بیعت کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ بسا اوقات مرید کے ابتدائی سلوک کو دیکھ کر ہی مرید کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ اگر ابتدا ہی میں مرید کے اطوار درست نہ ہوں تو انتہا میں حالات زیادہ بگڑ جاتے ہیں چنانچہ مریدوں کی پرکھ کے لئے کچھ مشائخ اپنے مریدوں کو قدرے بھوکا رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اگر مرید بھوکا رہنے پر آمادہ نہ ہو سکے تو پیر اسے یہ کہہ کر رخصت کر دیتے ہیں کہ تمہیں طریقت قبول نہیں کرتی اور تم طریقت کے اہل نہیں ہو۔ اگر مرید اپنے شیخ کی ہدایات اور احکامات کا احترام نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی اُن عنایات کا حقدار نہیں رہتا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر طالب سے وعدہ کیا ہے یا جو برکات بیعت کرنے کے بعد ملتی ہیں ان سے وہ محروم رہتا ہے۔

کچھ مرید رزق میں ترقی یا کامیابی نہ ملنے پر اپنے شیخ سے تو کیا اللہ تعالیٰ سے بھی خفا ہو جاتے ہیں اور نماز و روزہ بھی ترک کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ذکر اذکار اور عبادات کو صرف کسی کام کے لئے اختیار کر رکھا تھا اور جب کام نہ ہوا تو سب کچھ بند کر دیا۔ یاد رہے کہ بیعت، عبادات اور وظائف کا ادا کرنا خالص خدا کی نیت سے ہونا ضروری ہے ورنہ اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں ملتا۔ یاد رکھو کسی کو کچھ ملے یا نہ ملے دنیاوی کام درست ہوں یا نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرید کا معاملہ متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ عمل کی نیت خدا کے لئے ہونا ضروری ہے۔ کسی کام کو عبادت کا مقصود نہ بنایا جائے۔ بلکہ اصل مقصود خدا تعالیٰ کو رکھنا چاہیئے۔ ورنہ خار دار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ ایسے ناقص مریدوں کو بیعت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

مرید کی کامیابی کے لئے دس نکات

خلاصے کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی مرید اپنی بیعت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو درج ذیل باتوں کی ضمانت فراہم کرے تاکہ وہ کامیاب ہو سکے۔

(i) پیر کے ہر حکم کو جان و دل سے تسلیم کرے شکوک اور بحث مباحثہ میں نہ الجھے۔

(ii) اتباعِ شریعت کا جس طرح حکم دیا جائے کرے۔ اگر مرید پابندیٔ صوم صلوٰۃ نہیں کرتا تو وہ راہ طریقت میں صفر ہے۔

(iii) خود کو شیخ سے افضل نہ تصوّر کرے۔ (تقریباً ۸۰٪ سے زیادہ مرید ایسا ہی سمجھتے ہیں)۔

(iv) بیعت کا مقصد وصال الٰہی ہونا چاہئے۔ دنیاوی کام اگرچہ مرشد کی نگاہوں کے فیض سے ہو جاتے ہیں مگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر مرشد کے ساتھ تعلقات کی بنیاد نہ رکھے۔

(v) دل و جان سے شیخ کی محبت کو اپنائے اور اس کی خدمت کو سعادتِ دارین تصوّر کرے۔

(vi) راہِ سلوک میں محنت و مشقت سے کام لے تاکہ وہ پیر کی نظروں میں آ جائے اور اس کے معاملات درست ہو جائیں اگر پیر خوش ہو جائے تو سمجھ لیں کہ خدا خوش ہو گیا۔

(vii) راہِ طریقت کے معاملات اور تصانیف کا مطالعہ کرتا رہے تاکہ وہ اس جہانِ طریقت کی وسعتوں سے آگاہ ہو سکے۔

(viii) اگر تبلیغی کاموں میں پیر کے ساتھ شریک ہو جائے تو مرید کے بڑے سے بڑے مرحلے آسانی سے طے ہو جائیں گے۔ مگر یہ شمولیت اپنے کاموں کی نیت سے نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں کی اصلاح وقت کی ضرورت ہے۔

(ix) مرید خود کو جتنا زیادہ پیر کا عاشق سمجھے گا، فائدہ اسی قدر زیادہ ہو گا اور اگر دور رہے گا تو دوری کے مطابق محروم رہے گا۔

(x) مراقبہ اور حضورِ قلب کی اس قدر مشق کرے کہ مقامِ شہود پر فائز ہو جائے۔

دوسری بیعت کب ضروری ہوتی ہے

ایک ہی مرشد سے تعلقات کو استوار رکھنا بہتر ہے۔ دوسرے شخص کا خیال بھی دل میں نہیں آنا چاہیئے لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں بیعت ثانی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

(۱) جب معلوم ہو جائے کہ اس کا شیخ شریعت کا پابند نہیں، یا وہ صریحاً حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے یا اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ اس کا شیخ واقعی اس کی راہنمائی نہیں کر سکتا تو دوسری بیعت جائز ہے۔ لیکن جو شخص کامل مکمل شیخ کو چھوڑ کر کسی اور سے بیعت حاصل کر لے تو ایسے مرید کو کسی جگہ سے فیض حاصل نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ اگر جبرائیل علیہ السلام کی صحبت میں بھی چلا جائے تو بھی محروم رہے گا کیونکہ اس نے ایک مکمل شیخ کو خواہ مخواہ ٹھکرا دیا ہے۔ ایسے شخص کی یہی سزا ہوتی ہے۔

(۲) اگر کسی کا شیخ انتقال کر جائے اور سجادہ نشین اس کی پرورش کرنے کے قابل نہ ہو تو دوسری بیعت جائز ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انتقال کے بعد مرید کو شیخ سے زندگی کی نسبت زیادہ فیض ملتا ہے۔ لیکن اگر انتقال کے بعد مرید کو اپنے شیخ سے فیض ملنا بند ہو جائے تو دوسری بیعت واجب ہے (ملفوظات شمس الدین سیالوی) زندگی کے بعد فیض ملنے کا مطلب یہ ہے کہ مرید کا شیخ کے ساتھ باقاعدہ رابطہ رہے، گفتگو ہو سکتی ہو، مرید اپنے شیخ سے اصلاحی نکات اخذ کرتا ہو اور مشکل مقامات میں اس کی ظاہری اور باطنی طور پر مدد کرتا ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسے اپنے شیخ سے فیض حاصل نہیں ہے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگرچہ شیخ کامل بھی ہو تو اکثر اوقات مرید فیض لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ مرید کی اپنی کوتاہی کے باعث ہے نہ کہ شیخ کی کمزوری۔ یاد رہے کہ مرید بذریعہ کشف یا الہام وفات شدگان سے رابطہ قائم کر سکتا ہے اور ہدایات اخذ کر سکتا ہے۔ ایسا فیض کا طریقہ اویسی کہلاتا ہے۔ اگر فیض نہ ہو اور رابطہ بذریعہ کشف بھی نہ ہو تو دوسرے شیخ سے بیعت کی جا سکتی ہے۔

بیعت کے بعد تربیت

(ایک نہایت ضروری امر)

مرید کے لئے تربیتی مراحل

دشمنانِ اسلام کی مسلسل کوششوں نے مسلمانوں میں سلسلۂ بیعت کو تقریباً مسدُود کر دیا ہے چنانچہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت بیعت کی خوبیوں اور مقاصد سے نا آشنا ہونے کے باعث بیعت سے گریزاں ہے، بلکہ بہت سے لوگ تو بیعت کو معیوب اور غیر اسلامی عمل تصوّر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سختی سے بیعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں نے فیضانِ الٰہی کے ایک بہت بڑے دروازے کو قوم کے لئے بند کر دیا ہے۔ کچھ لوگ جو مخالفینِ بیعت کے اثرات سے محفوظ ہیں، اگرچہ رسمی طور پر بیعت تو کر لیتے ہیں، لیکن عملی طور پر تمام عمر بیعت کے فیوض سے محروم رہتے ہیں۔ اس تحریر کا واحد مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو بیعت کرنے کے بعد بیعت سے حاصل ہونے والے فیوضات سے آگاہ کیا جائے اور جو لوگ بیعت کے مقاصد سے نا آشنا ہیں انہیں بیعت سے حاصل ہونے والے کمالات کی طرف راغب کیا جائے۔ بیعت کرنے کے بعد مرید کو کیا کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے اس کی مختصر تفصیل نیچے دی جا رہی ہے۔

عِلم تصوّف یا حکمت سے آگہی

مرید کو چاہیئے کہ وہ تصوّف کی کتابوں کا مطالعہ کرے یا کسی شیخِ کامل سے یہ حقیقت معلوم کرے کہ تصوّف یا روحانیت کیا ہے؟ اس کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ اس کی مختلف اصطلاحات کیا ہیں؟ اس کے عمل کا طریقہ اور اس کے محاصل کیا ہیں؟ مرید یہ بھی معلوم کرے کہ ایک مرید کو بیعت کے بعد کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔ طریقت کا علم اس لئے ضروری ہے کہ ایسے علم سے دلوں میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اعمال کیفیت کی وجہ سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ اگر کیفیت نہ پیدا ہو تو عمل بھی متصور نہیں۔

تربیت کے تین مراحل سے گزرنا

تربیتی معاملات میں مرید کو تین مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک مبتدی (ابتدائی

مرحلہ) دوسرے متوسط (درمیانی مرحلہ) اور تیسرے منتہی (انتہائی مقام والا مرحلہ) ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان تینوں مرحلوں کے لئے الگ الگ پروگرام مرتب کئے ہیں۔

ا۔ مبتدی

مبتدی ابتدا کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی جو لوگ سلسلۂ بیعت میں سلوک کا آغاز کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ ذکرِ اسمِ ذات اور نفی اثبات پر بہت زیادہ توجہ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی نفی کریں یہاں تک کہ ذکر کے دوران کوئی چیز بھی ان کی معلوم نہ رہے اور اللہ کے سوا کوئی چیز ان کی مراد نہ ہو۔ ذکر کے بعد اگر مرید کو تکلف سے بھی اشیاء یاد کرائیں تو یاد نہ آئیں۔ اس طرح کرنے سے مرید انفسی اور آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جائے گا۔

ذکر اسمِ ذات اور نفی اثبات کو کسی شیخ سے سیکھے اور اس ذکر کو پانچ منٹ کے لئے صبح و شام کرے اور پھر بیس منٹ تک لے جائے۔ اگر زیادہ عروج در کار ہو تو صبح و شام دو تین گھنٹے تک ذکر کرتا رہے۔ ذکر کے اثرات کی پڑتال اپنے شیخ سے کرائی جائے اور کمی و بیشی کو درست کرنا چاہیئے۔ ذکر اس قدر کرے کہ جس سے دل میں گرمی پیدا ہو جائے اور جذب کی کیفیت نمودار ہونے لگے۔ جب تک دل کا آئینہ صیقل نہ ہو جائے ذکر کی اصلاح کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ مبتدی ابتدائی ایام میں ذکر کو خود چلاتا ہے اور جب ذکر راسخ ہو جائے تو اس پر ایسا وقت آتا ہے کہ خود ذکر اس کو چلاتا ہے اس سے ذکر کا جاری ہونا مراد ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ شروع میں مرید ذکر پر بہت زیادہ توجہ دے اور ذکر کے چراغ کو خوب بھڑکائے۔

ب۔ متوسط

متوسط درجہ کے سالک وہ ہوتے ہیں جو ابتدائی مرحلوں سے گزر چکے ہوں۔ ایسے لوگوں کے لئے ذکر اسمِ ذات اور نفی اثبات متعین نہیں یعنی اس کی تعداد کا تعین ضروری نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت متوسط درجے کے سالک کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ یاد رہے کہ ذکر کا مقصد غفلت کو دور کرنا ہے اور اگر قرآن کی تلاوت سے غفلت دور ہو جائے تو یہ بھی بہتر ہے۔ ذکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے۔ (مکتوبات)

ج۔ منتہی

ایسے سالک جو روحانیت کے زمرے میں کافی محنت کر چکے ہوں اور ان کی غفلت

ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت سے دور ہو چکی ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے ذکر متعین نہیں۔ بلکہ یہ بات ان کی شان کے لائق ہے کہ وہ کثرت سے نفلی عبادات کو ادا کریں۔ احادیث کے مطابق ایسے لوگوں پر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ ان کا بولنا خدا کا بولنا، ان کا دیکھنا خدا کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہر کام اللہ کی جانب سے ہونا تصوّر کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے ایک گھڑی بھر کے لئے تفکر کرنا ایک سال اور کئی حالتوں میں ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے (شرح شمائل از مُلّا علی قاری)

مبتدی اپنی راہ ذکر اذکار اور مجاہدات کے واسطے سے اختیار کرتا ہے۔ متوسط لوگوں کو بھی دین اسلام کی راہ پر لاتا ہے۔ لیکن منتہی اصحاب کے لئے رشد اور ہدایت کے کاموں میں پیش پیش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

بلندی درجات کے لئے چند مشوروں پر عمل

بیعت کا شرف حاصل کرنے کے بعد مرید کی تربیت کا ذمہ پیر اور مرید دونوں پر عائد ہوتا ہے۔ مرید کو معلوم ہونا چاہئے کہ بیعت کے بعد اسے کیا کچھ کرنا چاہئے۔ صرف بیعت کر لینا ہی کافی نہیں۔ راہِ طریقت میں ترقی حاصل کرنے کے لئے مرید کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

i ۔ آداب شریعت کی بجا آوری

پنج وقتہ نماز کی آدائیگی اور شریعت کے عائد کردہ دیگر چیدہ امور کا بجا لانا اسلام کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ ممنوعات سے بچنا بھی ضروریاتِ شریعت میں سے ہے۔

ii ۔ محبتِ شیخ اور رابطۂ شیخ

اس راہ میں سب سے اہم بات شریعت کی اتباع کے بعد اپنے شیخ سے محبت کرنا ہے۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دو باتیں ہوں تو پھر فکر کی بات نہیں۔ ان دونوں کے متعلق تفصیلی علم حاصل کرنا نہات ضروری بات ہے۔

iii ۔ اوراد اور وظائف

یاد رکھیں کہ جو لوگ پانچ وقتہ نماز پڑھ لیتے ہیں ان کے اکثر مصائب، مشکلات اور بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے فرائض کی عبادات میں کچھ کمی رہ جائے تو مرید کی یہ کمی اوراد اور وظائف کی ادائیگی یا صدقہ خیرات کی مدد سے دور کی جاتی ہے۔ مقامات کی بلندی کا مدار بھی کسی حد تک

وظائف پر ہے۔

iv - نفلی عبادات

درجِ بالا فرائض کی ادائیگی کے بعد نفلی عبادات کی طرف توجہ کرنا درجات میں بلندی کے لئے اہم مقام رکھتا ہے۔ اشراق (طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹے تک ۲ سے ۶ نفل)، چاشت (اشراق کے وقت کے اختتام سے زوال کے وقت تک ۲ سے ۶ نفل) اوابین (بعد از نماز مغرب ۲ سے ۶ نفل) اور نمازِ تہجّد (بعد از نصف الیل تا ابتدائے سحر ۸ تا ۱۲ نفل) میں سے جتنی بھی نمازیں ادا کر سکے، مرید کے لئے بلندیٔ درجات کا سبب بنتی ہیں۔ ان نمازوں میں سے نماز تہجد کا مقام بہت بلند ہے۔ رات کو چند نفل ادا کر لینا دن بھر کی نفلی عبادات سے افضل ہے۔ عبادات کی ادائیگی کے باوجود کوتاہیوں کی باعث مصائب اور مشکلات سے کسی حد تک پالا پڑ سکتا ہے۔ ان کوتاہیوں کا ازالہ وظائف کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ ہر بیماری، مشکل اور مصیبت کے لئے وظائف مقرّر ہیں۔ وظائف کا انتخاب مرید کے لئے اس کی مشکلات کے پیش نظر شیخ خود کرتا ہے اور راقم الحروف کو یقین ہے کہ جو وظائف شیخ تجویز کرے وہ اس کی مشکلات کو دفعہ کرنے کے لئے تیر بہ ہدف کا کام دیتے ہیں۔ سوائے ان مشکلات کے جو اللہ کی طرف سے حتمی طور پر مقدور ہو چکی ہوں (تقدیر مبرّم) باقی تمام مشکلات کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کا قول ہے کہ جو پیر اپنے مرید کی مشکلات کو دور نہیں کر سکتا اس کو ندی میں بہا دینا چاہئے (بشرطیکہ مرید اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کرتا ہو اور درست عقیدے کا مالک ہو)

v - اخذِ طریقت سے پہلے مصائب کا رفع کرنا

سالک کو چاہئے کہ پہلے پریشان کن حالات کا حل تلاش کرے تاکہ یکسوئی سے عبادت میں دل لگنے میں مشکل درپیش نہ آئے۔ مشکلات کے حل کا طریقہ نیچے دیا جا رہا ہے۔ راقم الحروف نے اپنے بعض مضامین میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ (اے ایمان والوں اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ سورۂ محمد ۷) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو لوگ اللہ کی مدد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا ہے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ کی مدد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی نظروں میں محمود بنا دیا جائے یعنی جو لوگ اللہ کے نافرمان ہیں انہیں اللہ کی فرمابرداری پر آمادہ کر دیا جائے۔ لہٰذا اگر کوئی اشد مشکل میں گرفتار ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ میں دل و جان کی بازی لگا دے۔ اس کام کے لئے یا تو لوگوں کو اپنی کوششوں سے دین کی طرف رغبت دلائے یا لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے شیخ یا ایسے ہادی کی طرف لے جائے جو ان کی

اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے لوگ جو کچھ بھی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، انہیں چاہیئے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کرنے والے اہلسنّت والجماعت کے گروہوں کے ساتھ مل جائیں۔ ان کا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہی اللہ کی مدد کے برابر تصوّر کیا جائے گا۔ جتنی تندہی اور شدت سے لوگوں کی اصلاح کا کام کیا جائے اتنی ہی جلدی اور شدت سے اللہ کی مدد موصول ہوگی۔ اس مدد کا فیصلہ کسی انسان نے نہیں بلکہ خدا نے خود قرآن میں فرمایا ہے۔

اس بات کو ذہین نشین کر لیں کہ جب کوئی شخص اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائے تو پھر اپنے کام کو بیچ میں نہ لائے ورنہ خدمت کا وہ اجر نہ ملے گا جو اہل خدمت کو دیا جاتا ہے۔ لوگوں کی اصلاح اور خدمت صرف خدا کے لئے کرنی چاہیئے اور خدمت کرنے والے کے مصائب اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور (خود بخود ہی) دور کر دے گا اور خدمت کا اجر الگ ملے گا۔ یہ نسخہ آزمودہ ہے۔ اور ہم نے اس کو بالکل اسی طرح پایا ہے۔

vi ۔ مقامِ ولایت تک رسائی کی کوشش

جو شخص بیعت کا شرف حاصل کرتا ہے تو وہ اولیائے کبارؒ کی صف میں شامل ہونے کے لئے نامزد کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس کے لئے اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دے۔ عوام میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ آج کے زمانے میں بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، معین الدین چشتیؒ اور بابا فرید گنج شکرؒ جیسے بلند پایہ بزرگ شاید ہی کوئی بن سکتا ہو۔ یہ بات درست نہیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ قانون خداوندی ہے کہ مَنْ طَلَبَ وَجَدَ (جس نے طلب کیا اس نے پالیا) یعنی جس کے دل میں بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ جیسی تڑپ ہو تو وہ ضرور اس مقام پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں ہونے دیتا۔ جتنا بڑا مقام درکار ہو اس کے لئے اتنی بڑی عبادتوں اور مشکلات کا سامنا کرنے کا جذبہ پایا جانا ضروری ہے اگر ایسا ہو جائے تو پھر وہ مقام مل سکتا ہے۔ جیسے علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

آج بھی گر ہو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جس نے جتنی محنت کی اس کو ویسا ہی بلند مقام میسر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی مرید اپنے دل میں بلند مقامات کی طلب کرتا ہے تو اس کو اپنے اندازِ طلب کو اور مجاہدات کو اس کے مطابق بڑھانا چاہیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کا قول ہے کہ بڑے کاموں کے لئے بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص آج ان قربانیوں کے لئے کمربستہ ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی اس کے قدم نہ چومے۔ اس قسم کی کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے اپنے شیخ سے مل کر پروگرام مرتب کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی بایزید بسطامیؒ نہیں بن سکتا تو کم از کم ولایت میں کچھ تو مقام پا ہی لے گا۔ میاں

صاحبؒ نے فرمایا۔ "ہمت نال لگے جس لوڑن، پائے باہجھ نہ مردا"

vii - عشقِ رسولؐ اور اس کا حصول

اہلسنّت والجماعت کے بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ درجات کی بلندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے امت کے اولیائے کرام کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلمان بھی کافر و زندیق

درجات کی بلندی صرف عبادات کی کثرت پر منحصر نہیں کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جن کی عبادات کو دیکھ کر لوگ اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں لاشئ تصوّر کریں گے لیکن ایسے عبادت گزار آدمی اپنے گستاخانہ کلام کے باعث جہنم رسید ہوں گے۔ اسلام میں اطاعتِ الٰہی بہت ضروری تصوّر کی جاتی ہے۔ لیکن عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ الٰہی کا درجہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم الدین شہیدؒ اگرچہ اطاعتِ الٰہی میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے تھے لیکن عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث انہیں اس قدر بلند مقام ملا کہ پورے ہندو پاکستان میں بچہ بچہ آپ کو غازی اور شہید کے نام سے جانتا ہے۔ پھانسی پر لٹکائے جانے سے کچھ روز پہلے آپ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں "علم الدین تم آتے کیوں نہیں ہو، میں چار روز سے کھانے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں" یہ مقام عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبادت اگر جسم ہے تو عشق اس کی جان ہے۔

viii - ترکِ مباحات

بلندیٔ درجات کا انحصار عبادات اور مجاہدات کی کثرت کے علاوہ ترکِ مباحات اور اکلِ حلال پر ہے۔ ترکِ مباحات یہ ہے کہ زندگی کے مصارف کو مختصر کیا جائے، مثلاً آرام دہ بستروں، لذیذ کھانوں، عالی شان عمارتوں، قیمتی لباسوں وغیرہ کی بجائے ہر بات میں سادگی اختیار کی جائے۔ ایسا کرنے سے درجات میں ایک دم ترقی ہو جاتی ہے۔ جو شخص حرام روزی پر گزر کرتا ہے وہ اگر چاہے بھی تو نیک اعمال سے محروم رہتا ہے، جب کہ حلال روزی کھانے والا نیک اعمال نہ بھی کرنا چاہے تو بھی اپنے دل کو نیکی کی طرف آمادہ پائے گا۔ اس کے علاوہ ایسے اعمال جن میں زہد و تقویٰ، کثرتِ خیرات، انفاق فی سبیل اللہ ہو تو ایسے اعمال درجات میں بلندی کا باعث بنتے ہیں۔ سب سے زیادہ درجات کی بلندی تبلیغِ اسلام اور اصلاح المسلمین میں رکھی گئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی اصلاح کے لئے علم حاصل کرتا ہے اور اگر اس سے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اسلام کو زندہ کرے گا اور

اسی اثنا میں اگر وہ مر جائے تو قیامت کے روز اس کا درجہ انبیاء کے درجے سے صرف ایک درجہ کم ہو گا۔

سالک کے مقاماتِ طریقت

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سالکانِ راہِ طریقت کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی مبتدی (ابتدا کرنے والا) متوسّط (درمیانے درجے والا) اور منتہی (جو قرب کی آخری منزلوں تک پہنچ چکا ہو) اس کے علاوہ حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس راستے کو ہم طے کرنے کے در پے ہیں وہ سات قدم ہے، جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں۔ دو قدم تو عالم خلق میں ہیں جو قالب (بدن) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم مثال میں ہیں جو قلب، روح، سر، خفی اور اخفی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھاتے ہیں خواہ یہ حجابات نورانی ہوں یا ظلمانی (ظلمت کے)

اول قدم جو عالمِ امر میں رکھتے ہیں اس میں تجلّیٔ افعال ظاہر ہوتی ہے، دوسرے قدم میں تجلّیٔ صفات اور تیسرے قدم میں تجلّیاتِ ذاتیہ کا آغاز ہوتا ہے اور پھر تجلّیات کے فرق کے مطابق آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ ان سات قدموں میں سالک ہر قدم پر اپنے سے دور اور حق سبحانہٗ کے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قرب الٰہی بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ فنا اور بقا سے مشرف کر دیئے جاتے ہیں اور ولایتِ خاصّہ کے درجے تک پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

طریقۂ نقشبندیہ میں اس سیر کی ابتداء عالمِ امر سے اختیار کی جاتی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اسی ضمن میں طے کر لیتے ہیں، لہٰذا یہ طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔ مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے کیونکہ ان بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صحبت میں ہی بطریق اندراج نہایت در بدایت وہ کچھ میسر آ جاتا تھا جو دوسرے اولیا کو نہایت پر پہنچ کر بھی بہت کم میسر آتا ہے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل وحشی علیہ الرحمہ کو قبول اسلام کے بعد اویس قرنیؒ سے جو تمام تابعین سے بہتر ہیں افضل قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ تو آپ نے جواب دیا "وہ غبار جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ کئی درجے عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے"۔

مکتوبات شریف میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ سالک کے مقامات کا تعین اس کے مقامات فنا اور بقا کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ فنا اول فنافی الشیخ ہے۔ اس کے بعد فناء فی الرسول اور فنافی اللہ کا مقام آتا ہے۔

سرِّ دلبراں میں ہے کہ ولائت کا حصول مقامات عشرہ حاصل ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ مقامات حسبِ ذیل ہیں۔ (۱) توبہ، (۲) انابت (رجوع الی اللہ) (۳) زہد (۴) قناعت (۵) ورع (۶) صبر (۷) شکر (۸) توکل (۹) تسلیم اور (۱۰) رضا۔ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم ہوتا ہے، کیونکہ تمام اولیا انبیاء علیہ تسلیمات کے وارث ہوتے ہیں اور ان سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ زمانہ کبھی اولیاء سے خالی نہیں ہوتا۔

مقامِ ولایت

ولایت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک عام اور ایک خاص۔ ولایتِ عامّہ تمام ایمان دار، اہل اسلام اور صاحبِ عمل کے لئے ہوتی ہے اور ولایتِ خاصّہ واصلین حق کے لئے ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۸ میں ہے "خبردار شک نہ کرنا، ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک خاص جہت یا سمت ہوتی ہے"۔ کچھ صوفیاء کے نزدیک ولایت کے مختلف مراحل حسب ذیل ہیں۔

i ۔ ذکر پر مداومت حاصل کرنا

اس میں نفی اثبات کا ذکر، پاسِ انفاس، قرآن کی تلاوت اور نوافل کی ادائیگی شامل ہیں۔ جب سالک ان پر عبور حاصل کرے تو ذکر کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور اس کا قلب قبولِ انوار اور کشف و مشاہدات کے لئے کھل جاتا ہے۔

ii ۔ مجاہدات کا اختیار کرنا

مجاہدات سے سالکینِ راہ طریقت ترکِ ماسوا اللہ اور تسلیم و رضا کے حامل ہو جاتے ہیں۔

iii ۔ تزکیۂ نفس کرنا

اس میں سالک کو غصّہ اور نفرت کو نفی کرنا ہوتا ہے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنا تزکیۂ نفس حاصل ہونے کی علامات ہیں۔

iv ۔ عرفان حاصل کرنا

اس میں سالک کو بذریعہ تفکّر اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور وہ حقیقتِ اشیاء

کو پہچاننے لگتا ہے اور اس کے دل میں نورِ فراست پیدا ہو جاتا ہے۔

V ۔ ولایت کا مقصودِ اعظم پانا

یہ خدمتِ خلق کے ساتھ منسلک ہے۔ اِس مقام پر وہ لوگوں کے لئے رشد و ہدایت پہنچانے کے فرائض انجام دیتا ہے اور خدا کے نافرمان بندوں کو اس کی بارگاہ میں مطیع اور تابعدار بنا کر پیش کر دیتا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور دیگر مشائخ نے ولایت کے تین درجے بیان کئے ہیں۔

الف ۔ ولایتِ صغریٰ.

اس میں مرید کو (i) سیرالی اللہ (عالمِ خلق سے عالمِ امر کی طرف جانا) (ii) وحدت (حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا شعور ہونا اور (iii) واحدیت یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے تفصیلی علم پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ غوث اور قطب وغیرہ کے درجات اسی ولایت میں شامل ہیں۔ ولایتِ صغریٰ. اولیاکی ولایت ہے۔

ب ۔ ولایتِ کبریٰ.

ولایتِ کبریٰ. میں احدیت کی سیر حاصل ہوتی ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا وہ مرتبہ جس میں وہم و گمان اور کسی لفظ کی گنجائش نہ ہو۔ یعنی اصل الاصل یا بلاچون و چگون ذات کے مرتبے کی سیر حاصل ہوتی ہے۔ یہ انبیاء کی ولایت کا درجہ ہے۔

ج ۔ وَلایتِ عُلیا

اس ولایت میں تجلّیٔ ذات کا بلا پردہ دائمی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے ولایتِ عُلیا الاعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ ولایت کبریٰ. میں اسم صفت تھا یعنی اس میں صفاتی تجلیات نظر آتی ہے اور ولایت علیا اسم ذات ہے، یعنی ذاتی تجلّیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ فرشتوں کی ولایت ہے۔

ولایت نبوت کا باطن ہے

مکتوبات شریف میں حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ولی کو ولایت میں دنیا تو کیا، آخرت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور آخرت کی مصیبت اور درد کو دنیا کے مصائب اور درد کی

طرح سمجھنا پڑتا ہے۔ فنا اور بقا دونوں ولایت کے جزو ہیں۔ اس ولایت میں آخرت کو بھلا دیا جاتا ہے۔

کمالاتِ انسانی میں نفسِ انسانی کو جو سب سے پہلا کمال حاصل ہوتا ہے وہ صانع (خدا) کا علم ہے۔ اس کے بعد اس کی احدیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے (کہ واقعی وہ واحد اور یکتا ہے) پھر اس کی فکر میں حضور حاصل ہوتا ہے اور اس کے (اللہ تعالیٰ) جلال کا شہود حاصل ہوتا ہے پھر اس کی وحی کی وساطت سے اس کے علم کے ادراک میں استغراق حاصل ہوتا ہے۔ اس آخری حالت کا نام نبوت ہے۔

نبوت کا تعلق ظاہر سے ہے اور نبوت کا باطن ولایت ہے۔ اولیا کو اسی لئے اولیائے مستورین اور اولیائے ظاہرین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اولیائے مستورین میں قطب مدار، ابدال اوتاد وغیرہ شامل ہیں اور ان کو اسباب کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوا میں اڑتے، پانی پر چلتے، وجد اور رقص کرتے ہیں۔ اور جب چاہیں لوگوں سے چھپ جاتے ہیں۔ یہ پتھر کو سونا چاندی بنا سکتے ہیں۔ کشفِ مغیبات ان کو اکثر ہوتا ہے۔ خضر و الیاس اولیائے مستورین میں سے ہیں۔

اولیائے ظاہرین میں قطب ارشاد، ابرار، واصلین، عاشقین اور محققین وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی کرامات مستورین سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ اولیائے مستورین کو کشف کونی یعنی کشف صوری ہوتا ہے مگر اولیائے ظاہرین کو کشف حقائق ہوتا ہے جسے کشف معنوی کہتے ہیں۔ یہ اپنے تصرّف سے لوگوں کو راہ راست پر لاتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل اس کتاب کے احاطۂ بیان سے باہر ہے۔

خلفاء کی تربیت

مشائخ جب کسی مرید کو خلافت دیتے ہیں تو اس کو سلسلۂ طریقت کے امور چلانے کا طریقہ بھی تعلیم کرتے ہیں۔ کچھ مریدین خلافت حاصل کرنے کے بعد سلسلے کو کامیابی سے چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ اپنے مرشد سے خاطر خواہ تربیت حاصل نہیں کرتے۔ طریقت کی تعلیم کے لئے درج ذیل نکات پر تربیت حاصل کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ خلفا کو چاہیئے کہ اپنے مرشد سے درج ذیل نکات کے لئے راہنمائی حاصل کرے۔

(۱) ذکر کا طریقہ اور ذکر کے مختلف مراحل کیا ہوتے ہیں۔ بتایا جائے کہ ذکر کب صحیح ذکر، کب قلیل ذکر ہوتا ہے اور کب ذکر کثیر بنتا ہے۔

(۲) خلفاء کو اپنے مریدوں کی تربیت دینے کے مختلف نکات کی وضاحت کی جائے تاکہ اسے معلوم ہو کہ مریدوں کو کون سے مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے اور ان مراحل کو کیسے طے کیا جاتا ہے۔

(۳) مریدوں کے لئے کن باتوں کا علم ہونا ضروری ہے، ولائت کی راہ میں کون کون سے مقام آتے

ہیں اور ولایت کی قسمیں کیا ہوتی ہیں۔ خلفاء کو بتایا جائے کہ عالم بالا، اعراف، ملکوت جبروت وغیرہ کا کیسے مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ عرش پر مصلیٰ کیسے گزارا جاتا ہے۔ لوح محفوظ پر ولی کی نظر کس طرح ہوتی اور مغیبات کیسے نظر آ سکتی ہیں۔

(۴) کشف القبور کے طریقہ سے قبر والے کے احوال کو دیکھنا، دنیا میں آخرت کے نقشے کا معائنہ کرنا، جنت، دوزخ، عالم ارواح، برزخ کا مشاہدہ کیسے کیا جائے۔

(۵) مومن کو نور فراست کیسے حاصل ہوتا ہے۔ کسی شخص کی ذات کی ظلمت یا تاریکی وغیرہ کیسے نظر آتی ہے، کسی کے احوال کا کشف کیسے کیا جاتا ہے۔

(۶) نسبت کا مکمل ہونا کس طرح ہوتا ہے جسے طریقت میں نسبت تامّہ کہتے ہیں۔

(۷) مرید بزرگوں کی توجہ سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیّت، احاطہ اور سریان کے حقائق سیکھتا ہے۔ ان کی تربیت کے متعلق کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یہ تمام چیزیں خلفاء پر کھلنا ضروری ہیں۔ وحدت کا کثرت اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا اور ان معارف کے مبادیات کے علم کا بیان کرنا ضروری ہے۔

(۸) فیض دینے اور لینے کے طریقے کیا ہیں؟ کسی کے خیالات میں بہتری کے لئے تغیرات پیدا کرنا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ بیماروں کے علاج کے لئے تعویذات اور وظائف کو کس طرح مرتب کیا جاتا ہے۔ تعویذات میں خصوصاً میاں بیوی کے تعلقات کا حل کن چیزوں پر موقوف ہے۔ مشکل کاموں کے لئے کون سے وظائف ضروری ہیں؟۔ کسی عورت کا خاوند ناراض ہو تو اس کا شیخ کس طرح مدد کر سکتا ہے؟ کسی کے گھر میں لڑائی جھگڑا کیسے رفع کیا جا سکتا ہے؟ بُرے تعویذات کا رد کیسے کیا جاتا ہے؟ کالے علم کا توڑ کیسے ممکن ہے؟

(۹) خلافت کی شرائط کیا ہیں۔ جس کو خلافت دی جائے اس کا معیار کیا ہونا چاہئے۔ خلافت کون دے سکتا ہے اور کن حالات، میں خلافت ناقص رہتی ہے۔

(۱۰) اصول فقہ (قرآن، حدیث، اجتہاد، معروف، استحسان، اصلاح، قیاس، استدلال اور الہام) کے علوم کے لئے تیار کرنا اور نماز و روزہ وغیرہ کے مشہور مسائل کا علم ہونا ضروری ہے۔

(۱۱) علم تصوّف پر مکمل عبور ہونا اور تصوّف کی چیدہ چیدہ اصطلاحات کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

(۱۲) سیر انفسی، سیر آفاقی، ہوش در دم، خلوت در انجمن، مراقبہ، محاسبہ اور دیگر مشاہدات وغیرہ کس طرح حاصل کئے جاتے ہیں۔

اوراد اور وظائف

اوراد اور وظائف کس طرح اثر کرتے ہیں؟

روح پر عبادت کا اثر ہوتا ہے۔ نماز اور دیگر عبادات اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی اور دعا کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قرأت کو اور عبادت گزاری کو شفاء کہا ہے۔ ان دنوں اہلِ یورپ نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہر بولے جانے والے حرف کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے اور اس کی ایک خاص طاقت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں نے لکھا ہے کہ "الف" کا رنگ سرخ "ب" کا نیلا "د" کا سبز اور "س" کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ جب ان کے اثرات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن سے بیماریاں جاتی رہتی ہیں۔

وحیٔ الٰہی کا ہر لفظ قوت کا ایک خزانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپین پادری (لیڈبیٹر) اور کچھ سائنس دان تعویذات اور قرآن کی قرأت میں زبردست مقناطیسی اثر کا ہونا ملاحظہ کرتے ہیں۔ لیڈبیٹر نے لکھا ہے کہ ہر لفظ ایتھر میں ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے (جس سے نفرت کے یا محبت وغیرہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں)۔ اس پادری نے زبور کے مختلف الفاظ پڑھنے سے بیماریوں کی شفا کا معائنہ کیا۔ الہامی کتب کے الفاظ کا ورد کرنے سے دکھ درد اور پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ امریکہ کے سائنس دانوں نے اس بات کا معائنہ کیا ہے کہ جو اثرات ان کے سینی ٹوریم میں موجود ہوتے ہیں وہ محض سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنے کے ساتھ ہی موجود ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مذہب کے مطابق قرآن کی تلاوت اور اسمائے الٰہی کے ورد سے اس قسم کے اثرات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ غیر الہامی الفاظ میں وہ اثرات کہاں جو اصل کلامِ الٰہی یعنی آخری اور صحیح اسلامی کتاب. قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اہل مغرب کے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ہر لفظ ایک ایٹم کی طرح ہے اور الفاظ کے اندر جذبات کی بجلیاں پنہاں ہیں اور ان کا اثر عالمِ خاکی اور عالمِ لطیف (بدن اور روح) دونوں پر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی گالی دے دے تو سننے والے کے بدن میں یہ الفاظ ارتعاش یا آگ لگا دیتے ہیں۔ یہ گالی الفاظ ہی کا مجموعہ ہے جو اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح بعض واعظ اپنی تقریر سے انسانوں کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں اور کسی قابل جرنیل کی تقریر مردہ سپاہیوں کے تن میں نئی روح پھونک دیتی ہے اور وہ سپاہی موت سے بھی ٹکرا جاتے ہیں۔ یہ حقائق الفاظ اور ان کی ادائیگی کے ہی کمال کی مثالیں ہیں۔

عبادت کے الفاظ کا اثر کس طرح ہوتا ہے؟

زمین سے آٹھ سو میل دور فضا بہت حساس ہوتی ہے۔ جس کو ایتھر کہتے ہیں، دنیا کی ہر آواز وہاں اثر پیدا کرتی ہے حتیٰ کہ خیالات اور ارادے بھی اس فضا میں لہریں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب ہم مصیبت میں دعا کرتے ہیں تو ہمارے جذبات کی قوت (ایموشنل انرجی) عالمِ بالا میں زبردست لہریں پیدا کر دیتی ہے اور عالمِ بالا کی فیض رساں طاقتوں (جنات، فرشتوں اور پاک روحوں) سے ٹکراتی ہیں اور انہیں بے چین کر دیتی ہیں۔ وہ طاقتیں یا تو خود آکر دعا کرنے والے کی رکاوٹ کو دور کر دیتی ہیں یا قوتِ ارادی سے کوئی لہر وہاں سے چھوڑتی ہیں جو ہمارے دماغ سے ٹکرا کر کسی ایسی تجویز کی شکل سمجھا دیتی ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہماری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ یہ سب طاقتیں اللہ کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرتیں۔ کچھ مصائب گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں اور یہ طاقتیں ان کے دلوں میں خدا کی طرف رجوع یا توبہ کی خواہش پیدا کر دیتی ہیں جو ان کی مصیبت رفع ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ ایک انگریز آر ڈبلیو ٹائین نے لکھا ہے کہ ہر خیال ایک لہر ہے جو دماغ سے نکلنے کے بعد مناسب صلہ لے کر واپس آتی ہے۔ اسلام میں آہ‌وزاری کی پکار اجابت مضطر کے طور پر دل سے نکلنے کا ذکر سورۃ نحل آیت ۶۲ میں موجود ہے یعنی اضطراب والے کی پکار کا جواب سوائے اللہ کے کون دیتا ہے۔

دنیا کی ہر شے سے لہریں نکلتی ہیں اور اسی طرح عبادت گزار بندوں کے الفاظ، خیالات اور جذبات سے خصوصی لہریں نکلتی ہیں جو مختلف انداز سے اثر کرتی ہیں۔ ان کی شدت عبادت کی نوعیت پر منحصر ہے۔ گرمیوں میں بادل چھا جائیں اور ہلکی بوندیں برسنے لگیں تو ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ کچھ آم لے کر دریا پر پکنک کرے۔ چاندنی رات فصلِ بہار اور برسات کی برکھا رُتِ خاص اثر رکھتی ہیں۔ یہ آسمان سے نکلنے والی لہروں کا اثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی کسی اللہ والے کو دیکھ لے تو اللہ یاد آ جاتا ہے اور عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ سائنس کا نظریہ ہے کہ مادے کو طاقت میں اور طاقت کو مادہ میں اور دوسری طاقت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ایتھر سے نکلی ہوئی لہریں بھی طاقت سے لبریز ہوتی ہیں اور کبھی محبت میں، کبھی نفرت میں، کبھی شوق میں، کبھی شاعری اور کبھی نغمات میں بدل جاتی ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کرام خاموش فضاؤں میں پھرنے والی لہروں کو سن کر سمجھ لیتے ہیں اور آنے والے واقعات بیان کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر کانن لکھتا ہے کہ "زمین کی طرح انسان کی ہستی سے بھی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں۔ جن کا اثر مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ اگر یہ لہریں کسی نیک آدمی سے نکلیں تو وہ دوسروں میں محبت پیدا کر دیتی ہیں" حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گلیوں میں موجود خوشبو سے تلاش کر لیتے تھے۔ جب جبرائیل علیہ السلام آتے تو ہر سو خوشبو پھیل جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے نکلی ہوئی لہریں اہل ایمان کو صحابیؓ کا درجہ دے دیتیں تھیں۔ آج بھی اولیائے کرامؒ کے چہرے کی طرف دیکھنا نفلی عبادت سے افضل ہے۔

منہ سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

درج بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ سے نکلے ہوئے اچھے الفاظ کی لہریں برے الفاظ کی لہروں سے مختلف اثر رکھتی ہیں۔ یعنی جیسا تم کرو گے ویسا ہی بھرو گے کا اصول ثابت ہو جاتا ہے۔ ایمان ایک زبردست انرجی ہے۔ جب ہم اس طاقت کو ایتھر میں چھوڑتے ہیں تو تمام فیض رساں طاقتیں ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور ہماری امداد کرتی ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اس کی دوستی کی منادی فرشتوں میں کر دی جاتی ہے اور تمام اہلِ آسمان اور اہل دنیا اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ عبادت کرنے والوں کو کوئی طاقت گزند نہیں پہنچا سکتی اور انہیں کسی چیز کا غم نہیں ہوتا۔ عبادت گزار لوگوں کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہوتے ہیں اور نافرمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی کیونکہ نافرمانوں سے فرشتوں کی یہ مدد واپس لے لی جاتی ہے۔ نیک لوگوں پر عظیم کائنات اپنے خزانوں کا منہ کھول دیتی ہے۔

الفاظ خیالات کی تصویریں ہیں اور خیالات وہ لہریں ہیں جو دماغ سے اٹھتی ہیں۔ کچھ الفاظ ادا کرنے سے غم، غصہ اور نفرت پیدا ہوتا ہے اور دوسری قسم کی لہریں محبت، رحم اور نیکی کے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ برے کاموں سے ایسی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو امراض، خوف اور بے چینی کا سبب بنتی ہیں۔ بیماری پہلے روح کو لگتی ہے اور پھر جسم خاکی میں منتقل ہوتی ہے۔ ایک امریکی ڈاکٹر لکھتا ہے کہ دماغ، جسم کا فطری محافظ ہے۔ مختلف قسم کے گناہ روح میں مختلف اثر پیدا کرتے ہیں۔ کبھی غصے کی وجہ سے ماں کے دودھ میں زہر پیدا ہو جاتا ہے اور تھوک بھی خطرناک زہر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شدید اشتعال یا خوف سے سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف محبت اور عبادت کی وجہ سے خوشحالی دیکھنے میں آتی ہے اور محبت سے بدن میں ایسی رطوبت پیدا ہوتی ہے جو بیماری کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ گناہوں کو کھا جاتی ہے۔ تکبّر عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔

نماز تمام بیماریوں سے شفا دیتی ہے۔ کلام پاک میں شفا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو سورۃ شفا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی تلاوت سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ایک امریکی ڈاکٹر لکھتا ہے کہ دکھ اسی وقت تک دکھ رہتا ہے جب تک گناہ باقی رہیں۔ گناہ کے چھوڑتے ہی دکھوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مشہور فقیہ "وکیع" نے علم کے حصول کے لئے اور حافظہ کی درستگی اور علاج کے لئے گناہوں کے چھوڑنے کو تجویز کیا ہے۔ (یعنی گناہوں کے ترک سے حافظہ تیز ہو گا اور علم آئے گا)۔

ہم خیر و شر سے متاثر ہوتے ہیں

ہم اپنے اور لوگوں کے خیر و شر سے متاثر ہوتے ہیں۔ کائنات میں لاتعداد دماغ ہیں۔ ان سے نکلی ہوئی لہریں ہر طرف اثر انداز ہو رہی ہیں۔ ایتھر میں خیر و شر کی دونوں طاقتیں موجود

ہیں۔ جب ہم اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں تو ہمارا رشتہ قوائے خیر سے قائم ہو جاتا ہے اور بدیاں ہمیں شیطان سے منسلک کر دیتی ہیں۔ شیطان کی بھیجی ہوئی لہریں خواہشات پیدا کرتی ہیں اور نیک قوتوں کی لہریں اعلیٰ جذبات پیدا کرتی ہیں۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ آیت ۳۰ اور ۳۱ میں فرشتوں کے ذریعے غم نہ کرنے کی بشارت دی گئی ہے اور سورۃ الشعرا میں جھوٹے اور بدکاروں پر شیاطین نازل ہونے کا ذکر ہے۔ گویا عبادت میں ملائکہ کی امداد اور شیاطین کی مزاحمت ہوتی ہے۔ عبادت کے اثرات چہروں پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ درج بالا گفتگو تفصیل کے ساتھ ہماری کتاب نشان منزل جلد دوئم میں موجود ہے۔ وہاں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ عبادت سے ہم قیود زمان و مکان بھی توڑ سکتے ہیں۔ ایسے ہی وظائف کی ادائیگی میں اثرات پیدا ہوتے ہیں کہ بیماریاں، غم اور مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ کچھ وظائف ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، غرضیکہ ہر کام کے لئے مخصوص وظائف ہوتے ہیں، جو مطلوبہ اثرات پیدا کرتے ہیں۔

اوراد کا طریقۂ کار

مذکورہ بالا عبارت سے وظائف اور عبادات کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ پنج وقتہ نماز کی ادائیگی اسی لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان کے لئے اسے فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی کے بغیر کوئی وظیفہ یا دوسری عبادت قبول نہیں ہوتی۔ نماز کی ادائیگی سے بہت سی سے بیماریاں اور دکھ دور ہو جاتے ہیں وظائف کی ادائیگی عبادتِ نماز کو زیادہ مؤثر بنا دیتی ہے۔ چنانچہ مرید کے لئے اس کی تکالیف کے مطابق وظیفے تجویز کئے جاتے ہیں۔ صحت، مال و دولت، بیماریوں کا ازالہ، حفاظت اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے الگ الگ وظیفے بتائے جاتے ہیں۔ جن کے ورد کرنے سے مرید کی تکالیف رفع ہو جاتی ہیں۔

وظائف کے لئے فجر کی نماز اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات موزوں تر ہوتے ہیں۔ تہجّد پر اگر ہمیشگی حاصل ہو تو اس کے بعد یا پہلے وظائف کرنا سب سے زیادہ اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ وظائف کی ادائیگی کے لئے پہلے چالیس دنوں میں وظیفہ کرنے کی جگہ اور وقت مقرر کر لیا جائے تو بہتر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ چالیس دنوں کے بعد اگر وقت اور جگہ میں کچھ رد و بدل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر صبح کے وظائف رہ جائیں تو ظہر سے پہلے ادا کر لینا بہتر ہے لیکن وقت پر ادا کئے جانے والے وظائف کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس دن مرید اپنا وظیفہ ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد اس دن کے لئے اس پر منقطع کر دیتا ہے اور کسی وظیفے میں ایک دن کا ناغہ وظیفے کے اثرات میں زبردست کمی واقع کر دیتا ہے۔ لہٰذا ایک دن کے لئے بھی وظائف کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی دماغی پریشانی یا طویل بیماری میں مبتلا ہو جائے اور وظائف کا ادا کرنا اس کے لئے بہت مشکل ہو جائے تو وظائف کی تعداد میں کمی کر دینا زیادہ نقصان دہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی سات سو بار وظیفہ

کرتا ہو تو ایک سو بار پڑھ لے اور ایک سو بار پڑھے جانے والے وظیفے کو ۴۱، ۲۱، یا ۱۱ دفعہ پڑھ لے تو وظائف کا اثر منقطع نہیں ہوتا۔ حضرت جنید بغدادیؒ جب بوڑھے ہو گئے تو وظائف کی ادائیگی کا کام ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ آپ ان وظائف کو ترک کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن وظائف کی مدد سے میں اس مقام تک پہنچا ہوں ان کے ترک کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

یاد رہے کہ مرید میں بزرگی پیدا ہونے کا معیار صرف اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کون سی عبادات کو اپناتا ہے اور کون سے وظائف کس انداز سے اپنے لئے تجویز کرتا ہے اور اس کے علاوہ اپنے شیخ کے ساتھ اس کا رابطہ کس قدر مضبوط ہے۔ ان میں سے اگر کسی چیز میں کمی آ جائے تو منزلِ مراد تک پہنچنا ممکن نہیں۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو شیخ سے زیادہ عقلمند اور بہتر سمجھتے ہیں ایسے لوگ وظائف کے صحیح اثرات اور شیخ کے فیضان سے محروم رہتے ہیں۔ جو لوگ خود کو اپنے شیخ سے بہتر سمجھتے ہیں ان کی شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی موجودگی میں اپنے خیالات اور شیخ کی باتوں پر بحث اور دلائل میں الجھے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر بھی اپنے شیخ سے اختلاف رائے اور الجھاؤ شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عادت مرید کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ ایسے لوگوں کو طریقت کی راہ چنداں فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت، محبت اور اسے اپنے سے بہتر سمجھنا مرید کو دارین کی سعادت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

کامیاب زندگی کے آزمودہ نسخے

(اُمورِ دنیا و آخرت کی عقدہ کشائی)

دنیا کی حقیقت

ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر انسان پیدا ہوتا، بڑا ہوتا، جوان ہوتا ہے اور پھر بڑھاپا پورا کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اکثر لوگ اس دنیا میں اپنی عمر عزیز مال و دولت کے حصول میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ اس بات کا احساس نہیں کرتے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی کا آغاز ہونے والا ہے جس کی پہلی منزل قبر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انسان کی خواہشات کو فقط قبر کی مٹی ہی بند کر سکتی ہے۔ جو لوگ صرف مال کے طلب گار ہیں ان کے ایمان کو دنیا کی طلب اس طرح چٹ کر جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو ختم کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کی ساری ہمت دنیا کی طلب کے لئے ہو، اس کی خدا کے نزدیک کچھ قدر و منزلت نہیں رہتی۔

حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ جو دنیا میں مال جمع کرتا رہا اس کے نیک اعمال بھی اسے فائدہ نہ دیں گے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے ناپسندیدہ ہونے کی علامت یہی کافی ہے کہ وہ نااہل لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ ابو الدرداؓ نے فرمایا کہ دنیا کے ذلیل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آدمی اس کی محبت سے گناہ گار ہوتا ہے۔ ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا آخرت کے بہت سے کاموں سے باز رکھتی ہے۔ ایک صوفی کا قول ہے جو تھوڑی روزی پر راضی ہوا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے اعمال سے راضی ہو جاتا ہے۔ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جس کا دل دنیا کی چیزوں سے خوش ہوتا ہے وہ عقلمندی سے دور ہوتا ہے اور جس نے اپنی شہوات کو پاؤں تلے روندا تو شیطان اس کے سائے سے بھی ڈرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دنیا سے دور رکھتا ہے تاکہ ان کی آزمائش کرے اور دشمنوں کو دنیا کی وسعتیں دیتا ہے۔

اصلِ زندگی کیا ہے

عام لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ اصلِ زندگی کیا ہے یعنی زندگی کو کس شکل وصورت میں

گزارنا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے عین مطابق ہے۔ عوام الناس کے رجحانات کے مطابق اصل زندگی یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو تو اس کی پرورش اس انداز میں کی جائے کہ وہ بڑا ہو کر انگریزی اسکول میں پڑھے اور زمانے کے ان تمام تقاضوں کو پورا کرے جن کے حصول سے لوگوں میں عزت و احترام پایا جاتا ہے۔ اس تربیت میں ظاہری چمک، تیزیٔ طبع، امارت، وزارت اور صدارت جیسی چیزیں مطمع نظر ہوتی ہیں۔

دنیا والوں کے خیالات کے برعکس اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیاب زندگی کا معیار، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنے میں مخفی ہے۔ اگر ایک شخص ان کی تابعداری کو اپنا شعار بنائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مختلف انعامات حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص دنیاوی مال و متاع حاصل کر لے لیکن اس کی دنیاوی زندگی میں عتابِ الٰہی کے احوال نظر آئیں اور قبر میں طرح طرح کے عذاب سے دوچار ہونے کے علاوہ آخرت میں بھی رسوا کر کے جہنم میں دھکیل دیا جائے تو ایسی امارت اور آسائش سے کیا فائدہ؟ اس لئے کامیاب زندگی یہی ہے کہ جس سے خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے اور زندگی کو ایسے طریقے میں ڈھالیں کہ خدا کی تابعداری سے دنیا میں مالا مال ہو جائے اور آخرت میں بھی انعامات الٰہی کا حقدار بن جائے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور احادیث میں اس بات کو مکمل طور پر واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کریں گے ان کو وہ تمام انعامات حاصل ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے (اس کے لئے راقم المعروف کی کتاب نشان منزل جلد اول حصہ اول صفحہ ۲۱۲ سے ۲۱۹ تک کا مطالعہ فرمائیں)۔ حیرانگی کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو دنیا میں تو نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے اور پھر آخرت میں بھی انعامات عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے تو غلط اور ناجائز طریقوں کے ساتھ دنیا کماتے ہوئے مسلمان جہنم کو کیوں مول لے لیتا ہے۔ جب دنیا اور دین پر استوار ہونے کے بعد دنیا اور آخرت دونوں سنور سکتے ہیں تو پھر غلط انداز سے دولت کما کر جہنم میں جانا سوائے حماقت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لوگ نیک زندگی سے صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ حلال کمائی میں کچھ محنت ہے جب کہ حرام عموماً فوراً حاصل ہو جاتا ہے۔

آج کے مسلمان کے لئے عمل کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ خود بھی نیکی پر قائم رہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو جو تیزی سے جہنم کے راستوں کی طرف بڑھ رہے ہیں، ایسی بے دینی کی زندگی سے بچاتے ہوئے نیک زندگی بسر کرنے کا سبق دے اور پھر دیکھے کہ پوری قوم بھی سنور جائے گی اور خود اس کی زندگی بھی سدھر جائے گی وما التوفیق الا باللہ۔ جو شخص اللہ سے اس کام کے لئے توفیق طلب کرے تو انشاء اللہ وہ اللہ کو اپنا مددگار پائے گا۔

بزرگوں کی زندگی کا انداز

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی کے سامنے تیری محتاجی اس کی غلامی قبول کرنے کے برابر ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی کھاتے جاتے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے "جو اس پر قناعت کرتا ہے وہ لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے۔" ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت ابو الدرداؓ کھجوروں کی گٹھلیاں کھانے کے لئے چن رہے تھے۔ جب اس شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا "معیشت پر نگاہ رکھنے والا یقیناً مرد فقیہہ ہوتا ہے" یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ہم میں سے تقریباً ہر شخص دنیا کے مال و متاع پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور آخرت میں پیش آنے والے انجام سے بے خبر رہتا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ وہ لوگ جو نافرمانی پر آمادہ رہتے ہیں قبر میں جاتے ہی ان کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور چند سالوں کے بعد ہڈیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں اور بالاخر ایسے لوگ خدا کی نافرمانی کے باعث رسوائی کے ساتھ جہنم دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ جسموں کے گلنے سڑنے کی مشاہداتی خبریں ہم تک پہنچتی رہتی ہیں۔ اس کے برعکس آج ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھوں نے نیک لوگوں کے جسموں کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے جسم تیرہ سو سال کے بعد بھی اسی طرح ترو تازہ تھے اور تیرہ سو سال کے بعد ایسے لگتا تھا کہ جیسے ان کو رحلت فرمائے ہوئے صرف دو تین گھنٹے ہوئے ہوں۔ (عراق میں دو صحابہ کرامؓ کے جسموں کو قبروں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا واقعہ ہماری تصنیف نشان منزل جلد اول حصہ اول کے صفحہ ۷۱ پر تفصیلاً درج ہے) حال ہی میں ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان دو صحابیوںؓ کو قبروں سے نکال کر نئی جگہ پر دفن کرنے کی مکمل فلم لندن میں بی بی سی کے دفتر میں موجود ہے۔ نیک لوگوں کے جسم ترو تازہ رہنے کے واقعات سینکڑوں کی تعداد میں سنے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے متعلق اس بات کا جائزہ لے کہ اس کے اعمال اسے جہنم کی طرف لے جائیں گے یا جنت کی طرف۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ قبر میں اس کا جسم ترو تازہ رہے تو اسے پاکیزہ زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مشائخ کرام کی مدد سے اپنی زندگی کو اس انداز سے گزارے کہ مرنے کے بعد اسے خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ ایسے لوگ موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔

دنیا کی خاطر آخرت کو داؤ پر نہ لگاؤ

ہر شخص کو اس بات کا علم ہے کہ اس دنیا میں بسر ہونے والی انسانی زندگی زیادہ سے زیادہ چالیس سے ساٹھ سال کے درمیان رہتی ہے۔ شاید ہی کوئی سو سال کی عمر تک پہنچتا ہو۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کی عبارت کے مطابق آخرت کی دنیا کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ (دیکھئے سورۃ الحج آیت نمبر ۴۷)۔ قرآن کی اس آیت کی صداقت کی وضاحت نشان منزل کی جلد اول حصہ اول کے صفحہ ۵۸ پر کر دی گئی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اگر ہم اس سو سالہ زندگی کو آرام دہ بنانے کی خاطر آخرت کی ابد الاباد زندگی کو داؤ پر لگا دیں اور ہمیشہ کا عذاب خرید لیں۔

ہم سب نے اس بات کا مطالعہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی حدود دور دور تک پھیل گئی تھیں اور بیت المال سونے چاندی سے بھر چکے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قدر سادہ زندگی بسر کی کہ پسِ مرگ ان کی ملکیت جسم پر پہنے ہوئے کپڑے، چند مٹی کے برتن اور کھجور کی چٹائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپؓ کے زمانے میں مال کی فراوانی اس قدر تھی کہ اگر چاہتے تو عالی شان محلّات میں رہائش پذیر ہو جاتے۔ بہترین لباس پہنتے، سینکڑوں عورتوں کو بطور کنیز رکھ لیتے اور آپ کے لئے ہر قسم کی عیش و عشرت کا سامان مہیا ہو سکتا تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اس دنیا کا عیش کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ عیش تو صرف آخرت کی چیز ہے۔ جس نے یہاں عیش سے زندگی بسر کی اور آخرت کی پرواہ نہ کی تو وہ آخرت میں خسارے کے نقصان سے داغدار ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی پاکیزہ زندگی بسر فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلے تو وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کو ان دونوں کے نقش قدم پر ڈھالنے کی کوشش کی تو آپ بھی ان کے ساتھ جا ملے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج یہ تینوں ہستیاں ایک ہی حجرے میں آرام فرما ہیں اور قیامت کے روز یہ تینوں ایک ساتھ ہی اٹھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے پہلے زمین شق کی جائے گی اور یہ دونوں یار سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ علی ہذا القیاس اگر آپ کے اعمال نماز، روزہ اور تقویٰ سے خالی ہوئے تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں گے کہ یہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کی شفاعت پر بھی تکیہ نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ وقت ہے کہ آج ہی سنبھل جاؤ اور اپنی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش شروع کر دو۔ اس راہ پر چلنے کی اولین ضرورت یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز کا اجراء کیا جائے جس کے لئے دن بھر میں صرف آدھے گھنٹے کا وقت درکار ہے اور پھر اپنی عبادات کو بڑھاتے جاؤ۔ حتیٰ کہ راہِ طریقت پر گامزن ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی منزلوں کو طے کرتے جاؤ۔ اگر اولیائے کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا جذبہ موجود ہو تو اس بات کا یقین رکھو کہ وہ اپنے لطف اور کرم سے تمہیں محروم نہیں رہنے دیں گے۔ یہی نجات کا وہ راستہ ہے جس میں کوئی خسارہ نہیں ہے۔ مرنے کے بعد بھی تمہارے درجات بلند ہوتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ایک کھجور کے صدقہ کرنے کا عمل بڑھا کر قیامت کے روز پہاڑ کی صورت میں تمہارے اعمال نامے میں داخل کیا جائے گا۔ اس دنیا میں عیش و عشرت اور آرام کی زندگی کا کوئی تصوّر نہیں۔ لذائذ اور انعامات صرف آخرت کے لئے مخصوص ہیں۔ دنیا میں لذت کو تلاش کرنا حماقت ہے۔

عرصۂ دنیا، خدا کو منانے کا وقت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہی نہیں بلکہ ہر چیز کو کسی خاص مقصد کے لئے تخلیق فرمایا

ہے۔ اگر کوئی شے اپنے مقصدِ تخلیق کو بھلا دے تو اس پر اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے گزارنے کا صرف وہی طریقہ ہے جس سے اس کی تخلیق کا مقصد پورا کیا جا سکے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو زندگی کے گزارنے کا طریقہ بیان کرتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اسلام ہی زندگی کے گزارنے کا واحد طریقہ ہے اور قرآن کو الفرقان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اچھے اور برے راستوں میں فرق کو واضح کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ زندگی کو گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ کیا ہے۔ اس کا معلوم کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس طریقے کو معلوم کرنے سے غفلت کرتے ہیں اور تمام عمر عیش و عشرت کی طلب میں گزار دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ جو بوڑھے بلکہ ضعف کے آخری حصے میں پہنچ کر بھی یہ معلوم نہیں کر پاتے کہ ہم کیا ہیں؟ کس مقصد کے لئے پیدا کیے گئے ہیں؟ دنیا کیا ہے؟ مال کی حقیقت کیا ہے؟ وغیرہ۔ وہ اس بات پر بھی یقین نہیں رکھتے کہ کوئی خدا موجود ہے اور یہ کہ مرنے کے بعد ہماری باز پرس کی جائے گی اور ہم سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تمام عمر سامانِ عیش و عشرت کے حصول میں کیوں گزار دی۔ آخرت سے غفلت کا یہ عالم ہے کہ قریب المرگ بوڑھوں کو بھی دنیاوی مال متاع کی ہوس میں گرفتار پایا جاتا ہے۔ اکثر ضعیف، ناتواں اور کمزور بوڑھوں کو بھی داڑھی منڈواتے ہوئے اور بے دینی کی طرز زندگی میں گرفتار دیکھا گیا ہے۔

اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کو مقاصد زندگی کا علم ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے آپ کو پکے اور سچے مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں وہ طریقت کے اس ذریعے کو اپناتے ہیں جس پر چلنے کے بعد انسان اپنے اندر اسلامی روحانیت کو بیدار کر کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ (یعنی اے ایمان والو اللہ پر (پورا پورا) ایمان لاؤ۔ النساء - ۱۳۶)
اس آیت سے یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ اگر اسلام قبول کیا ہے تو اس پر پورا ہاتھ ڈالو یعنی اگر کوئی مسلمان ہے تو پورا پورا اسلام میں داخل ہو جائے اور یہ صرف طریقت پر چلنے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ دنیا کے مصائب، مشکلات اور بیماریوں میں صرف وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو بغیر بندگی کے گزارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ بیماریاں اور مصائب اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر عائد کئے جاتے ہیں۔

بے مقصد زندگی سے توبہ کرنی چاہئے۔ انسان کا عرصۂ حیات بہت قلیل ہے۔ جو لوگ بے مقصد زندگی گزارتے ہیں اور اپنی گذشتہ زندگی کو غفلت میں گزار چکے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اچھی طرح جائزہ لیں اور اپنی عمر کو غنیمت سمجھتے ہوئے آئندہ کے لئے وقت کو ضائع نہ کریں۔ لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اپنی عمر کا بیشتر حصہ اسلام کی طرف رجوع کیے بغیر گزار دیتی ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں توبہ یا بیعت کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ معلوم نہیں کہ کس چیز کے انتظار میں ان کی تمام عمر گزر گئی۔ ابھی بھی وقت ہے کہ وہ سنبھل

جائیں اور کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی زندگی کو سنواریں۔
بعض لوگوں کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ساری عمر مال و دولت کی طلب میں رہنے کے باعث دین سے دور رہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم نہیں کہ حقیقتاً ان کی تمام پریشانیوں کا حل توبہ کرنے کے بعد خدا کو منا لینے میں پوشیدہ ہے نہ کہ صرف دنیا کی طلب میں رات دن لگے رہنے میں۔

دین و دنیا میں بلند مقام کیسے حاصل ہوتا ہے

اس دنیا میں آنے کے بعد جب انسان کی روح کا تعلق اس کے جسم سے وابستہ ہوا، اس وقت سے اس مادی دنیا کے لوازمات اس پر بھوت کی طرح مسلط ہو گئے اور ایک عام انسان اس مادی دنیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے رات دن پریشان رہنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر لوگوں کی توجہ مال و دولت کو سمیٹنے کی طرف مائل ہو گئی اور توجہ الی اللہ جو اسے عالم ارواح میں ہر وقت حاصل تھی رفتہ رفتہ زائل ہونے لگی۔ آج یہ عالم ہے کہ جس کو دیکھو وہ دنیاوی آرام کے حصول کے لئے بازی لگائے بیٹھا ہے اور اپنی تمام تر توجہات کو روپیہ پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے صرف کر رہا ہے۔ مزید براں مغربی رجحانات نے مسلمانوں کے ذہنوں پر اس قدر گہرا اثر ڈالا ہے کہ اب ایک کامیاب زندگی کا معیار صرف مطلب پرستی اور مطلب براری کو ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ اس مادی دوڑ کا عملی نمونہ انگلینڈ اور امریکہ والے ساری دنیا کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ مادہ پرست مغرب والوں کے ہاں دینی اقدار اور روحانیت کی قطعاً کوئی جگہ نہیں۔ ایسی خدا فراموش قوم کے آرام اور آسائش کو دیکھ کر مسلمانوں نے بھی دین کو بالائے طاق رکھ کر ایسی ہی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور نادان مسلمان اپنی توجہ کا رخ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی طرف لانا پرانے وقتوں کا طریقہ اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصوّر کرنے لگا ہے۔ غرضیکہ مسلمان دبی زبان سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اس دنیا کا عیش اور آرام، آخرت کے آرام سے مقدم ہے اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ عیش و عشرت کا جہاں آخرت نہیں بلکہ یہ دنیا ہے۔

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

یہ نادان عیش و طرب کی زندگی کو دیکھ کر اسے ہی فردوس بریں تصوّر کرنے پر اکتفا کر چکے ہیں حالانکہ حقیقت اس سے بالکل برعکس ہے۔
اس کتاب کے تحریر کئے جانے کے دوران جب راقم الحروف نوائے وقت کو ایک انٹرویو دے رہا تھا تو اس موقعے پر موجود امریکہ میں رہائش پذیر ہمارے ایک دوست نے ایک سوال اٹھایا کہ اہل امریکہ بغیر دین اور روحانیت کے بہت کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں تو پھر ہمارے حکمرانوں کے

لئے آپ دین دار اور روحانیت کو اپنانے کے لئے کیوں ترجیح دے رہے ہیں۔ ان کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ پہلے یہ کہ انسان اسلام کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرے اور دوسرا یہ کہ اس دنیا میں کامیابی کے لئے دنیاوی اسباب کو بھی مہیا کرے تاکہ وہ دنیا میں سرفراز اور سربلند رہ سکے، جیسے علامہ اقبال نے فرمایا "عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد" اسلام ہم سے یہ توقع کرتا ہے کہ ہم ایک طرف دین کی اتباع کو قائم کریں اور دوسری طرف دنیاوی تقاضوں کو ضرورت کے مطابق مہیا کرنے کا سامان بھی تو پیدا کریں۔ امریکہ والوں نے اس حصے پر توجہ دی اور اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن مذہبی تقاضوں والے حصے کو قطعاً نظرانداز کر دیا۔ اسلام کے مطابق ایسی زندگی کامیاب زندگی نہیں کہلا سکتی کیونکہ یہ زندگی صرف ناکام دنیاوی مقاصد کی ضمانت فراہم کرتی ہے جبکہ حقیقی کامیابی دنیا کی درستگی کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کی حفاظت کرنے سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب والوں کو عیش و عشرت تو حاصل ہیں مگر اخلاقی معیار کا پلڑا بالکل خالی ہے چنانچہ اطمینان کی دولت سے محروم ہیں۔

درج بالا تحریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب تک دین اور دنیا میں کامیابی نہ ہو تو انسان کی زندگی کامیاب زندگی نہیں کہلا سکتی۔ بے چارہ مسلمان دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے عمر بھر کوشاں رہتا ہے لیکن اسے اس بات کا علم نہیں ہو پاتا کہ اسلام ایک ایسا راستہ بھی فراہم کرتا ہے جس سے دونوں دینی اور دنیاوی مقاصد آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنا رشتہ دین سے استوار کر لیا ہے ان کے ہاں دنیاوی مال و دولت کی فراہمی بھی نظر آتی ہے اور وہ آخرت کی زندگی میں بھی کمالِ عروج کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو شاید اس بات کا احساس نہیں کہ اگر وہ نماز، روزہ اور دینی احکامات کے پابند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دینی اور دنیاوی بلندیوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ حیرت ہے کہ لوگ ایسا طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتے کہ جس میں دنیاوی مال متاع بھی اعلیٰ معیار پر حاصل ہو جائے اور آخرت بھی سنور جائے، چہ جائیکہ وہ دنیا کے چند ٹکوں پر خود کو راضی کر لیتے ہیں اور اپنی آخرت کو تباہ کر لیتے ہیں۔ کیا ایسی زندگی میں سراسر خسارہ نہیں؟ اگر خسارہ ہے تو پھر مسلمان صرف دنیاوی مال پر قناعت کیوں کر بیٹھتے ہیں۔

بلندیوں پر پہنچنے کا راستہ

قرآن اور حدیث پر غور کیا جائے تو ہمارے سامنے ایک اور راستہ کھلا ہوا نظر آتا ہے جو مسلمان کو دنیا اور آخرت میں نہایت بلند مقام فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ راستہ حیاتِ طیبہ یا حیاتِ جاوداں حاصل کرنے سے متعلق ہے۔ یہ وہ ذریعہ ہے جس کو مسلمانوں کے لئے ان بڑے بڑے صوفیائے کرام نے اپنایا جن کے نام ابھی تک زندہ ہیں۔ اس زندگی کا اصول یہ ہے کہ کوئی اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی مدد کے لئے زندہ رہے اور اس کی اصل قرآن کی وہ آیت ہے جس میں باری تعالیٰ نے

فرمایا "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا" (سورہ محمد آیت. ۷) اس آیت میں اللہ کی مدد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم ان لوگوں کو خدا کی دہلیز پر جھکا دو جو رات دن خدا کی بغاوت پر آمادہ رہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسی زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں جو ان کو جہنم کی طرف لے جائے، لیکن اس آیت میں ہمیں اشارتاً اللہ تعالیٰ کے اس منشا کا احساس ہو رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم نافرمانوں کو جہنم کی آگ میں ڈالے جانے سے بچالو کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کو جہنم میں ڈالا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ہدایت دے دے تو بندوں کی آزمائش کا نظام ختم ہو جاتا ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھوں سے یہ کام کروانا چاہتا ہے تاکہ یہ کام بھی ہو جائے اور اس کی طرف داری کا عمل بھی ظاہر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو اتنا بڑا درجہ دیا ہے کہ اس نے صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا ہے کہ اگر تم ان کو جہنم سے بچالو گے تو میں تمہارے ہر کام میں تمہاری مدد کروں گا۔

غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قوم کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے اتنا بڑا انعام مقرر کیا ہے کہ اس کے عوض وہ تمہارے ہر کام میں تمہاری مدد کرے گا۔

اولیائے کرام کا قول ہے کہ چونکہ قرآن کا وعدہ اللہ کا وعدہ ہے لہٰذا اس کے صحیح ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعی ایسے تمام لوگوں کی مدد فرماتا ہے جو مسلمانوں کی اصلاح میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر آپ پاک و ہند کے لوگوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے داتا گنج بخشؒ، معین الدین چشتیؒ، فرید الدین گنج شکرؒ اور دیگر اولیائے کرام پر اپنے کتنے بڑے انعامات نازل فرمائے ہیں اور ان انعامات کا باعث صرف ان کی یہی دینی خدمات کا عمل تھا۔

علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اپنی خدمات کے عوض حیاتِ جاوداں اور بلند شہرت کا مقام حاصل کیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے جو خدمات انجام دیں ان کے صلہ میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے اور جن لوگوں کو آپ نے مسلمان کیا ان کی تقریباً بیس نسلیں اب تک آچکی ہیں اور ان سب کی نماز روزہ کا ثواب داتا صاحبؒ کی روح کو پہنچ رہا ہے اور قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ پہلے آپ کا روضہ کافی مختصر تھا۔ اب اس کی وسعت کو دیکھ کر ان کے درجات کے بڑھنے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہندو اور سکھوں کے درباروں کی عمارتوں اور بزرگوں کی عمارتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافروں کی عمارتیں مسلمانوں کی عمارتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مسجدوں اور مندروں میں فرق ہوتا ہے۔ وہاں کفر کی ظلمتیں سایہ فگن ہیں اور یہاں پر نور ہی نور برستا نظر آتا ہے۔ وہ عمارتیں دنیاوی عمارتیں ہیں کیونکہ ان کے مذہب ختم ہو چکے ہیں مگر اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس سے منسلک عمارتیں بھی زندہ ہیں۔ ابو جہل کی شہرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہرت کے مقابلے میں لاکھوں زمین اور آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔

جو لوگ مذکورہ بالا آیت پر عمل کرتے ہیں (اور خود بھی صوم و صلوٰۃ کی زندگی بسر کرتے ہوئے مسلمانوں کو عملی مسلمان بنانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں میں مدد کرتے رہتے ہیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس کی مدد کے لئے خدائی ہاتھ شامل ہوں تو

ان کو کس بات کی کمی رہے گی۔ کیا ان کی دنیا ان لوگوں سے بہتر نہ ہو جائے گی جو صرف دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش میں نماز و روزہ کو ترک کر کے رات دن مشغول رہتے ہیں۔ یقیناً ایسے اللہ والوں کو ہر شے میسر ہو جاتی ہے اور آخرت بھی اللہ کی مرضی کے مطابق محمود ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ قبر میں عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے اور ان کے جسم قیامت تک قبر میں سلامت رہیں گے اور اس کے برعکس دوسروں کے جسم تارک صوم و صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے چند دنوں میں ہی گل سڑ جاتے ہیں۔ ان تمام انعامات کے علاوہ ایسے لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ رہیں گے اور رہتی دنیا تک ان کی عزت بڑھتی رہے گی۔

ایک عقلمند شخص کے لئے سوچ بچار کرنے کا مقام ہے کہ انسان بے دینی کی زندگی گزارتے ہوئے کم مال و دولت کمانے والی زندگی پر کیوں مُصِر ہے۔ حالانکہ قرآن پاک پاکیزہ زندگی گزارنے پر زیادہ عزت، دولت اور وقار دینے کا وعدہ کرتا ہے اور آخرت میں بلند مقام حاصل ہونے کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کے لئے فائدہ مند کام یہی ہے اور اس میں دین و دنیا کی کامیابیاں شامل ہیں۔

ذکر میں روحانی کمالات

(روحانیت کی اساس ذکر ہے)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ" یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں مسلمانوں کو نماز کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر نماز کو قائم کرو تو اس طریقے سے ادا کرو کہ جیسے میرا ذکر ہو رہا ہو۔ یعنی نماز کے لئے ذکر کا مقصود بالفعل ہونا قرار دیا۔ اگر ہم غور کریں تو اللہ کے نام کا ذکر بھی ذاتِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے لہٰذا ذکر ایک ایسی چیز ہے جس کا مقصود خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں صفات کو اہمیت نہیں دی جاتی اور ذاکر کا براہِ راست ذاتِ الٰہی کے ساتھ منسلک ہو جانا ہی ذکر کا مدعا ہے۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ تین چیزوں میں یعنی ذکر، ذاکر اور مذکور میں سے ذکر اور ذاکر اگر دونوں ختم ہو جائیں تو ذکر کا مقصود یعنی اللہ تعالیٰ (مذکور) ہی باقی رہ جائے گا۔ اصلِ ذکر بھی یہی ہے کہ ذکر کے وقت صرف اللہ ہی اللہ رہ جائے اور بندہ اپنے آپ کو لاشئی سمجھ کر اپنی ہستی کو درمیان سے ہٹا دے۔

ذکر، لفظِ اللہ کو بار بار کہنے سے مراد ہے۔ لفظِ اللہ اگرچہ خدا نہیں لیکن خدا کی طرف راہنمائی ضرور کرتا ہے اور بار بار اللہ کا لفظ ادا کرنے سے انسان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جاتا ہے اور اللہ کے تصوّر میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ اس کو فنائیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں ۔

اللہ اللہ گفت، اللہ می شوی
ایں سخن حق است، باللہ می شوی

(اللہ اللہ کہتے رہو تو تم خود اللہ میں فنا ہو جاؤ گے ۔ یہ بات سچ ہے خدا کی قسم ایسے ہی ہو جاؤ گے)

ذکر کو طریقت میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ جب تک ذکر کی کثرت نہ کی جائے روحانی معاملات طے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ طریقت میں پہلا قدم ہی ذکر ہے اور طریقت کا اوڑھنا بچھونا بھی ذکر ہی ہے۔ آج تک کوئی بزرگ ایسا نہیں ہو گزرا جس نے ذکر میں دوام حاصل نہ کیا ہو اور خوب ذکر نہ کرتا رہا ہو۔ انسان کے جسم میں سب سے اہم حصہ اس کا قلب ہے۔ جب تک قلب ذکر کے اثر سے تمام پراگندگی، میل کچیل اور زنگ سے نجات حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک کوئی روحانی کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی تفصیل اگر مطلوب ہو تو ہماری کتاب "اسلام اور روحانیت" کا

مطالعہ فرمائیں جہاں ذکر سے متعلق تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل بیان شامل کیا گیا ہے۔ یہاں پر صرف چند نکات کو اشارتاً بیان کیا جارہا ہے تاکہ مریدین ان نکات کی مزید وضاحت طلب کرنے میں مشغول ہو جائیں۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ توجہ الی اللہ

انسان کی ولادت سے پہلے اس کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف مرکوز رہتی تھی لیکن جونہی اس کو دنیا میں بھیجا گیا تو اس کی توجہ اپنے جسم، لباس، خورد و نوش، سکونت، نفسانی خواہشات اور دیگر لوازمات کی طرف راغب ہونے لگی۔ کچھ لوگوں کی توجہ دنیاوی معاملات میں اس قدر غرق ہونے لگی کہ سابقہ توجہ الی اللہ بالکل زائل ہو گئی۔ لیکن چند ہستیاں ایسی بھی ہیں جن کی خدا کی طرف توجہ اب بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ عالمِ ارواح میں تھی یعنی ہر وقت اللہ کی طرف مشغول رہتے ہیں۔

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ کے شہر میں ایک نوجوان شخص کو دیکھا کہ وہ پچاس ہزار اشرفی کی خرید و فروخت میں مصروف تھا مگر اس کا دل ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ تھا۔ سورۂ نور میں ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو محبوبینِ خدا کہا جاتا ہے۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے روزی کی تلاش میں خدا کو مکمل طور پر بھلا دیا ان کی اصلاح کے لئے اولیائے کرام نے ذکر کا طریقہ تجویز کیا تاکہ اللہ اللہ کرنے سے ان کی توجہ اللہ کی طرف پھر راغب ہو جائے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ذکر کی مجلسوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ آپؐ کے قرب کے ذریعے رسالت کے انوار آپ کی صحبت کے طفیل ان پر نافذ ہو جاتے تھے، چنانچہ ذکر کی مجلسوں کی ضرورت ان دنوں میں نہیں ہوتی تھیں۔ مگر بعد میں آنے والے ایّام میں جب لوگوں کے دل خدا کی یاد کو مکمل طور پر فراموش کر بیٹھے تو بزرگوں نے ذکر کی مجلسوں کے طریقہ کو رواج دیا، لہٰذا ان مجلسوں کو بدعت قرار نہ دیا جائے۔ کیونکہ یہ مجلس ان وقتوں کی ضرورت تھیں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صلوٰۃ با جماعتِ تراویح کا اجراء کیا۔

۲۔ ہر حرف پر دس نیکیاں

قرآن اور حدیث کے فیصلے کے مطابق ذکر کے ہر لفظ کے عوض دس نیکیاں ذاکر کے اعمال نامے میں جمع کر دی جاتی ہیں۔ حرف "لا" میں دو حروف ہیں "ل" اور "الف" لہٰذا ان حروف پر بیس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ چنانچہ ایک بار کلمہ طیبہ کہنے سے ۲۴۰ نیکیوں کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

۳۔ ذکر کا سب سے ادنیٰ کمال

ذکر کا سب سے ادنیٰ کمال یہ ہے کہ اگر ایک کافر کلمۂ طیبہ پڑھے تو وہ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر مسلمان پڑھے تو اس کے پڑھنے کی مقدار کے مطابق اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ (مکتوبات ربانی)

۴۔ رجوع اِلیٰ اللہ

ذکر کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ انسان کا رجوع اللہ کی طرف ہونے لگتا ہے کیونکہ ذکر کے ذریعے اس کی روح کو عروج حاصل ہوتا ہے۔ غور کریں کہ رجوع اور عروج ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منضبط ہیں کہ دونوں الفاظ کے حروف بھی ایک جیسے ہیں؟ اگرچہ ترتیب میں کچھ فرق ہے۔ (ع، ر، و، ج ــــ ر، ج، و، ع)

۵۔ غفلت کا دور ہونا

ذکر اور قرآن کی تلاوت کے علاوہ نوافل کی ادائیگی سے دل کی غفلت دور ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پر ایک الگ بیان دیا جاچکا ہے چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذکر کرنے سے دل کی غفلت دور ہوتی ہے۔

۶۔ ایمان کی تجدید

انسان جتنی بار کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اتنی بار ہی اس کے ایمان کی تجدید ہوتی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جددوا ایمانکم بکلمۃ لاالہ الااللہ یعنی اپنے ایمان کی تجدید کلمہ لاالہ الااللہ سے کرتے رہا کرو۔

۷۔ قربِ الٰہی کا حاصل ہونا

ذکر نفی اثبات میں ذاکر کو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ خود سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ جب سالک دنیا اور خود سے دور ہو گا تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں چلا جائے گا لہٰذا اس کی روح کو قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ذکر میں نہ کسی سے دشمنی نہ محبت کا خیال دل میں رکھا جاتا ہے اور نہ ہی دل میں کسی اچھے یا برے کام کی طرف دھیان دیا جاتا ہے۔ ایسا شخص

مکمل نفی کے بعد اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔

۸۔ ستر ہزار پردوں کا اٹھ جانا

نور العقل اور نور العشق کا ذکر "جواز بیعت، قرآن اور حدیث کی رو سے" کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ حقیقتاً ذکر کرنے سے ہی وہ گرمی پیدا ہوتی ہے جو بندے اور خدا کے درمیان حجابات کو اٹھا دیتی ہے۔ دنیا کی آگ کا درجۂ حرارت تقریباً اٹھارہ سو ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا تیز ہوتی ہے۔ اولیاء کا قول ہے کہ وہ آگ جو ذکر کرنے سے دلوں میں پیدا ہوتی ہے وہ جہنم کی آگ سے بھی ستر گنا تیز ہے۔ ذکر سے پیدا ہونے والی آگ کی تمازت ذکر کرنے والے کے جذبۂ شوق اور شدّتِ ذکر کے مطابق رونما ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اگر ذکر کرنے کے دوران کسی کی طرف نظر اٹھا کے دیکھ لیں تو کوئی ان کی نظر کی تاب نہیں لا سکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کی طرف وہ دیکھ لیں تو مدِّمقابل جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ اگر کوئی ذکر کرنے والے کو ہاتھ لگا دے تو ہاتھ لگانے والا بجلی کی طرح جھٹکا محسوس کرتا ہے۔ غرضیکہ ذکر سے پیدا ہونے والی گرمی مختلف انداز میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ ان لوگوں کے احوال کے مطابق ہے جنہوں نے ذکر کرنا کسی بزرگ سے سیکھا ہو اور پھر زیادہ دیر تک ذکر کرتے رہنے کی مشقت اٹھائی ہو۔ ایسے لوگ پانچ پانچ، چھ چھ گھنٹے مسلسل ذکر کرتے ہیں اور کچھ لوگ تو سالہا سال تک روزانہ کئی کئی گھنٹوں ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکر کی گرمی پیدا ہونے کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ راقم الحروف نے ایک شخص کو ذکر خفی کا طریقہ تلقین کیا، لیکن چار پانچ منٹ کے بعد ہی وہ چِلّا اٹھا کہ اس کے جسم میں آگ لگتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

۹۔ روح کی غذا ذکر ہے

عبادت اور ذکرِ الٰہی روح کی غذا ہیں اور اس سے روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔
جن روحوں کو خاطر خواہ قوت حاصل ہو تو وہ عجیب الانواع امور پر قدرت حاصل کر لیتی ہیں اور کسی کام میں ان کا روحانی تصرّف ان کی روح کی تقویت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی روح کو جہاں چاہیں جب چاہیں جس طرح چاہیں ظاہر کر سکتے ہیں، لیکن ان کا ہر کام اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ بلقیس کا تخت جو ساٹھ فٹ لمبا اور چالیس فٹ چوڑا تھا، چشم زدن میں سینکڑوں میلوں کے فاصلے سے حاضر کر دیا گیا۔ یہ آصف بن برخیا کی روح کا تصرّف تھا۔

۱۰۔ جسم کے ہر ذرے سے ذکر کا جاری ہونا

اگر ذکر کسی شیخ کامل سے اخذ کیا جائے تو کچھ عرصے کے بعد انسان کے جسم میں

موجود لطائفِ ستّہ (نفس، قلب، سرّ، روح، خفی، اخفیٰ) جاری ہو جاتے ہیں اور ان لطائف کی وجہ سے سالک بہت بڑے بڑے کام کرنے کی استطاعت حاصل کر لیتا ہے۔ ذکر اگر زبان سے کیا جائے تو اسے ذکرِ لسانی کہا جاتا ہے اور اگر قلب ذکر کرنا شروع کر دے تو ذکرِ قلبی کہلائے گا۔ اسی طرح ذکر روح، سر، خفی اور اخفی سے بھی جاری ہونے لگتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ زبان کا ذکر لقلقہ، (بکواس) ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ، روح کا ذکر شرک، اور سر کا ذکر کفر ہے۔ جب ذاکر ذکر میں خود کو ختم کر دے تو اس وقت اصل ذکر شروع ہوتا ہے اور ایسی حالت میں انسان کے جسم کے ہر ذرے سے ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ ایسے ذکر کے بعد ایسا مقام بھی آتا ہے کہ ذاکر کے ارد گرد در و دیوار کے ہر ذرے سے ذکر جاری ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ سیرِ انفسی اور آفاقی

ذکر کی قوت حاصل کرنے سے سالک اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے قلب میں اجمالی طور پر تمام کائنات کو ملاحظہ کرتا ہے تو اسے (سیر انفسی) کہتے ہیں اور جب وہ عالم کبیر میں کائنات کی سیر کرتا ہے تو اسے سیر آفاقی کہتے ہیں۔ اس سیر میں تفصیل کے ساتھ آفاق کی سیر ہوتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اولیائے کرام جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر ہی دیکھتے ہیں وہ سیرِ انفسی کی طرف اشارہ ہے۔

۱۲۔ کلمہ کے انوار کا نافذ ہونا

ذکر کرتے رہنے سے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ذاکر خود کلمے کے انوار کو ملاحظہ کرتا ہے اور اس صورت میں ذکر سالک کو چلاتا ہے (ذکر کثیر) جبکہ اس سے پہلے سالک ذکر کو چلاتا تھا۔ ایسا ذکر زیادہ ہونے کے باوجود بھی قلیل کہا جائے گا۔ ذکر کثیر کرنے والے ایسے سالک پر ذکر جاری ہو جاتا ہے اور اللہ کی یاد قائم ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ کلمے کا ہر شے کے مقابل میں وزنی ہونا

احادیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ انہیں کوئی ایسا وظیفہ بتایا جائے جس کا ورد وہ ہر وقت کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلمے کا ورد کرنے کا حکم دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی یہ ذکر تو عام لوگوں کے کرنے کے لائق ہے۔ مجھے تو کوئی اعلیٰ قسم کا ورد تعلیم کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہیں کلمہ لاالہ الا اللہ کی شان و شوکت کا اندازہ نہیں۔ اگر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور پوری کائنات کو دوسرے پلڑے

میں رکھیں تو کلمے والا پلڑا پوری کائنات والے پلڑے پر حاوی اور وزنی ہو گا۔

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ کلمۂ طیبّہ کا پلڑا کیوں افضل اور بھاری نہ ہو کیونکہ اس کا ایک کلمہ (لا الہ) تمام ماسویٰ کی نفی کرتا ہے۔ چاہے آسمان ہو یا زمین، عرش ہو یا کرسی، لوح ہو یا قلم، عالم ہو یا آدم اور دوسرا کلمہ (الا اللہ) معبود برحق کو ثابت کرتا ہے۔ جو سب کا خالق ہے چنانچہ جو کچھ آفاق اور انفس کے آئنوں میں نظر آئے گا فانی ہے اور نفی کے لائق ہے (کلمہ طیبہ کے انوار غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ قیامت کے روز کلمۂ طیبّہ کے انوار کے مقابلے میں چاند اور سورج کی روشنی ماند پڑ جائے گی)

۱۴۔ دیگر رحمتوں کے مقابلہ میں کلمے کا مقام بلند ہونا

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی چیز بھی اس کلمہ طیبہ سے زیادہ نافع نہیں۔ جب یہ کلمہ دوزخ کی آگ میں پڑنے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے تو دوسرے غضبوں کو جو اس سے کم ہیں بدرجہ اولیٰ ٹھنڈا کرتا ہے اور تسکین دیتا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ اس کلمے کو آخرت کے ننانوے (۹۹) ذخیرہ ہائے رحمت کی چابی قرار دیا گیا ہے۔ پہلی امتوں میں گناہ کبیرہ بہت کم تھے (پہلے وقتوں میں عموماً گناہ کی سزا دنیا میں ہی دے دی جاتی تھی لہٰذا آخرت میں وہ پاک اور صاف ہو کر جاتے تھے) چنانچہ جس قدر رحمت اللہ تعالیٰ اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کام میں لائے گا معلوم نہیں کہ پہلی اُمتوں کے لئے کام میں نہ لائے۔ ننانوے رحمتوں کے خزانے شاید اسی پر گناہ اُمّت کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھے گئے ہوں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لاالہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ صرف لاالہ الا اللہ کے کہنے سے دخولِ جنت کیسے میسر آئے گا۔ یہ لوگ اس کلمے کی برکات سے واقف نہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام عالم کو صرف اس کلمہ کے طفیل بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ اگر اس مقدّس کلمہ کی برکات کو تمام عالم پر تقسیم کرتے رہیں تو سب کو کفائت کرتا اور سیراب کرتا ہے۔ اس کلمے کی برکات کس قدر بڑھ جاتی ہیں جبکہ اس کے ساتھ کلمۂ مقدسہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو جائے یعنی تبلیغ توحید کے ساتھ مل جائے اور رسالت ولایت کی ساتھی بن جائے۔ ان دو کلموں کا مجموعہ ولایت اور نبوّت کے کلمات کا جامع ہے۔ (یعنی دونوں کے کمالات اس میں جمع ہیں) یہ کلمہ ان دونوں سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے۔ یہی کلمہ ہے جو ولایت کو ظلال کے ظلمات سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو درجہ عُلیا تک پہنچاتا ہے۔ اے اللہ ہمیں کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ کر اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت نصیب فرما اور اس کی تصدیق

کرنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما اور ہمیں اس کی حرمت اور اس کی تبلیغ کرنے والے انبیاء کی حرمت سے جنت میں جانا نصیب فرما۔ آمین

حضرت مجددؒ علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ جب نظر اور قدم عاجز ہو جاتے ہیں اور ہمت ختم ہو جائے اور معاملہ غیب صرف تک پہنچ جائے تو کلمۂ طیبہ کے پاؤں کے بغیر نہیں چلا جا سکتا اور اس سے ہی وہ مسافت طے ہو سکتی ہے۔ ایک بار ہی اس کلمے کو پڑھنے سے یا اس کلمے کی حقیقت کی امداد سے اس مسافت کا ایک قدم طے ہوتا ہے، جس کا ایک جزو تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے جو سالک کو اپنی ذات سے دور کرتا ہے اور اگر خود سے دور ہے تو حق جل و علا کے قریب جا پڑتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ فرائض اور سنت کی ادائیگی کے بعد افضل ترین اور برتر عبادت ذکر الٰہی ہے۔ حضرت سہل طشتریؒ فرماتے ہیں کہ جنت تو معاوضہ ہے تمام اعمال کا مگر کلمہ طیبہ کی بجز دیدار الٰہی کے اور کوئی جزا نہیں ہو سکتی۔

۱۵۔ دل کی آنکھ کا کھلنا

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے ذکر سے قلب کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس معاملے میں اہل یورپ نے بہت تحقیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں ایک سوئی کے سرے کے برابر سوراخ ہوتا ہے جو اگر کھل جائے تو انسان کا تعلق عالم بالا (Metaphysical World) یا عالم امر سے ہو جاتا ہے۔ قلب کی یہ آنکھ کثرتِ ذکر سے کھل جاتی ہے اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کی یہ آنکھ کھل جائے تو وہ صاحبِ فراست ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف (مکتوب نمبر ۲۹۰ دفتر اول حصہ پنجم) میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلبی بصیرت کے کھلنے کے لئے ایک ایسا طریقہ مقرر کیا ہے جسے وقوف عددی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وقوف عددی یہ ہے کہ عدد وتر کی صورت میں نفی اثبات کا ذکر کیا جائے۔ اس طرح کا ذکر سلسلہ نقشبندیہ میں مشہور اور معروف ہے۔ اس قسم کے ذکر کرنے والے کے روحانی معاملات نہایت قلیل عرصے میں طے ہو جاتے ہیں۔ وقوف عددی کی صورت یہ ہے کہ پہلے ذکر نفی، اثبات کو (یعنی لاالہ الا اللہ کو) ایک سانس میں ایک بار کہے۔ (ایسے طریقے سے جس کی تعلیم سلسلہ نقشبندیہ میں دی جاتی ہے) پھر ایک سانس میں تین بار کہے، پھر ایک سانس میں پانچ بار، یہاں تک کہ ایک سانس میں اکیس بار کہے اور بعض یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک سانس میں ایک سو اکیس بار کہے۔ اس طرح ذکر کرنے سے دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور دل نور کے مشاہدے سے منور ہو جاتا ہے۔ ایسا ذکر ایک دو ماہ کرنے سے ہی قلب کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

راقم الحروف نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جو لوگ اس سے پہلے ذکر کی تعلیم

حاصل کر چکے ہوں ان کا دل وقوف عددی کے ذکر سے اکیس دن کے بعد نور کے مشاہدے سے منور ہو جاتا ہے اور دل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

۱۶۔ آئینۂ دل کا صیقل ہونا

ذکر تواتر کے ساتھ کرنے کے بعد دل میں اس قدر گرمی پیدا ہو جاتی ہے جس سے دل کا زنگ، میل کچیل اور دیگر کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور دل کا آئنہ بالکل صاف اور شفاف ہو جاتا ہے۔ دل کا آئنہ صاف ہونے کے ساتھ ساتھ نزدیک اور دور کی تمام اشیاء اس میں منعکس ہونے لگتی ہیں اور ان کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ عام حالات میں کسی کے دل میں اگر برا خیال قائم ہو جائے تو دل میں ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اور اس طرح متواتر گناہوں کی تاریکی سے تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے ذکر کے بعد یہ دل کی سیاہی دور ہو سکتی ہے اور دل چمک جاتا ہے۔

۱۷۔ کلمۂ تقویٰ کا حقدار ہونا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ واقعہ میں اہل عرب کو کلمہ تقویٰ یعنی لاالہ الا اللہ کا حقدار قرار دیا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (اور ہم نے پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔ الفتح۔ ۲۶) جو لوگ ذکر کے حقوق ادا کرتے ہیں وہ بھی عرب والوں کی طرح کلمہ تقویٰ کے حقداروں یا وارثوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۸۔ حقائقِ اشیاء کا ظاہر ہونا

ذکر پر ہمیشگی کرنے والوں کو فراست کی دولت سے بھی مالا مال کیا جاتا ہے جس کے باعث وہ اسرارِ الٰہی اور حقائق اشیاء سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ قرآن کا ظاہر اور باطن ان پر روشن ہو جاتا ہے اور وہ حقائق اشیاء کو معلوم کر لیتے ہیں۔

۱۹۔ تزکیۂ نفس

کہا جاتا ہے کہ تزکیۂ نفس کسی شیخ کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس کی حقیقت یہی ہے کہ شیخ اپنی توجہ سے مرید کے ذکر کو جاری کر دیتا ہے اور ذکر پر مداومت حاصل ہونے سے اور اتباع شریعت سے نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور شیطان اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں تزکیہ نفس لازمی طور پر ہو جاتا ہے۔

۲۰۔ شیطان کے اثرات سے محفوظ ہونا

قرآن اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ ذکر نہیں کرتے ان پر شیطان مسلّط ہو جاتا ہے اور ان کا ساتھی بن جاتا ہے۔ یہ ایسا ساتھی ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے (قرین) ۔ شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے۔ (دیکھئے سورۂ الزخرف آیت نمبر۳۶) ۔ جب کوئی شخص ذکر میں مشغول ہو جائے تو شیطان اپنی چونچ اس کے دل سے ہٹالیتا ہے اور اس کو گمراہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

۲۱۔ انوار کا انعکاس ہونا

ذکر کرنے والا دل یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے سینے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے نکلنے والے انعکاس کو قبول کر لیتا ہے اور خود بھی اپنے قریبی لوگوں کے دلوں میں انعکاس کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ ذکر کو برزخ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ذاکر اور مذکور میں تعلق قائم کرنے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انعکاس کا بیان "روحانی دنیا کے کمالات" کے باب میں گزر چکا ہے۔

۲۲۔ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے پردوں کا کھلنا

ذکر کرنے والوں پر عالم ملکوت، جبروت، لاہُوت وغیرہ کے پردے اس طرح کھل جاتے ہیں کہ وہ وہاں کی باریک اشیاء کا بھی ملاحظہ کر لیتا ہے۔

۲۳۔ کشفُ القبور کا حاصل ہونا

ذکر کرنے والوں کو کشفُ القبور کا طریقہ تربیت کیا جائے تو تھوڑی سی مشق کے بعد صاحبِ قبر سے گفتگو کر سکتا ہے اور بسا اوقات ان کی صورتوں کا معائنہ بھی کرتا ہے اور صاحبِ قبر کے احوال سے واقف ہو جاتا ہے۔

۲۴۔ کرامات کا پیدا ہونا

کرامات کا انحصار پاکیزہ زندگی، ذکر پر مداومت اور ترک مباحات پر مبنی ہے اولیائے کرام سے جو کرامات سرزد ہوتی ہیں اس میں اگرچہ ترک مباحات کا نمایاں اثر ہوتا ہے لیکن ذکر کے اور مجاہدات کے بغیر تقریباً ہر چیز ادھوری رہ جاتی ہے۔ ترک مباحات کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

۲۵۔ کیفیات کا پیدا ہونا

کیفیات کا پیدا ہونا بہت وضاحت طلب اور طویل داستان ہے۔ لیکن اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جذبۂ عشق، کیفیاتِ وجد اور جذب کا پیدا ہونا زیادہ تر ذکر الٰہی کے باعث رونما ہوتے ہیں۔ ان کیفیات کا پیدا ہونا روحانی مقامات کے حصول کے لئے پیش خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کی عظمت کا ظہور اس کے پڑھنے والوں کے درجات کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہو گا اس کلمے کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہو گا۔ اس کلمے کے سامنے ساری دنیا کچھ حیثیت اور قدر وقیمت نہیں رکھتی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کاش ساری دنیا اس کے سامنے اتنی حیثیت ہی رکھتی ہے جتنی ایک قطرے کی ایک محیط بے کراں کے سامنے ہوتی ہے۔

۲۶۔ کلمۂ طیبہ سے نور کا ملنا

حق تعالیٰ نے سورہ تکویر میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سورج اور چاند ستارے اندھے اور بے نور ہوں گے کیونکہ اس روز کلمۂ طیبہ کا نور جلوہ فرما ہو گا اور ستاروں کا نور مجازی ذکر کے نور حقیقی کے سامنے ماند پڑ جائے گا کیونکہ ذکر کا نور خداوندی نور ہے اور چاند تاروں کا نور مجازی ہے اور مجاز حقیقت کے سامنے ماند اور محو ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز تمام اشیاء کا نور اللہ جل شانہ، کے وجود پاک اور ذکر کے نور کے سامنے بجھا ہوا معلوم ہو گا۔

بعض صوفیائے کرام نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو چار چیزیں ضرور حاصل ہونی چاہئیں (۱) تصدیق یعنی دل سے بھی حق تعالیٰ کے ساتھ معبودیت کو خاص سمجھے۔ ورنہ اس کے بغیر کلمہ توحید کا اقرار نفاق ہے، دوسرے ذکر کی تعظیم کرے اور ذکر کو بہت بڑا سمجھے جیسے کہ فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ورنہ بدعتی ہے، سوئم ذکر میں حلاوت اور شرینی حاصل ہو ورنہ ریا ہے، چہارم اس ذکر کا احترام کرے، کیونکہ اگر احترام نہ کرے تو فاسق ہے۔ ذکر کی عظمت کے لئے بے انتہا احادیث دیکھنے میں آتی ہیں جن کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔

۲۷۔ ذکر سے فکر کا کھلنا

مولانا رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص کو شیطان نے کہا کہ تو ذکر کرتا ہے اور "یا اللہ یا اللہ" کہتا ہے مگر خدا تیرے "یا اللہ" کہنے کا جواب نہیں دیتا تو ایسے ذکر سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے ذریعے اس بندے کو اطلاع دی کہ جب وہ ایک دفعہ اللہ کے نام کا ذکر کرتا ہے تو دوسری بار ذکر کرنے کی توفیق میں ہی تو دیتا ہوں۔ چنانچہ میری توفیق سے ہی تیری زبان

سے دوسری بار اللہ کا نام جاری ہوتا ہے اور اگر پہلی بار تیرا اللہ کہنا قبول نہ ہوتا تو دوبارہ تیری زبان سے ذکر جاری نہ ہوتا۔ گویا تیرا بار بار "اللہ اللہ" کرنا ہماری طرف سے تمہارے ذکر کا جواب ہے۔ اس کے علاوہ تیرے دل میں ذکر کے باعث جو درد و سوز اور نیاز دیکھنے میں آتا ہے وہ بھی تمہارے ذکر کے جواب میں میری طرف سے ایک قبولیت کا پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (بلکہ حقیقت بھی یہی ہے) کہ تمہیں ذکر میں لگانے والا بھی میں ہی ہوں اور تیرے "یارب" کہنے پر میں یا عبدی (اے میری بندے) کہتا ہوں۔

مولانا روم ؒ نے لکھا ہے کہ فکر کا درجہ عبادت سے اور ذکر سے بھی بلند تر ہے۔ لیکن فکر کو چلانے والا بھی ذکر ہی ہے۔ اگر فکر منجمد ہو جائے تو ذکر کرنے سے کھل جائے گا۔ ذکر کی گرمی فکر کو حرکت میں لاتی ہے۔ جب فکر افسردہ اور جامد ہو جائے تو اس کے لئے ذکر، گرمی پہنچانے کے اعتبار سے، آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ فکر وہ ہے جو خدا کی طرف راستہ کھول دے اور راستہ وہی مفید ہے جو شہنشاہ حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے ملا دے۔ اس سے بلندی ذکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۸۔ سلب شدہ نسبت کا حاصل کرنا

کچھ لوگ دوسروں کے روحانی احوال کو سلب کر دیتے ہیں لیکن سلب شدہ فیض واپس بھی آسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس نے فیض سلب کیا ہو اس کو بیچ میں رکھ کر اپنے مرشد کے سینے سے فیض طلب کرے تو زائل شدہ فیض مل جاتا ہے۔ سائیں توکل شاہ صاحب ؒ نے فرمایا کہ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے یا اپنے شیخ سے رابطہ کو قائم رکھے تو کوئی شخص اس کی نسبت کو سلب نہیں کر سکتا۔ سلب کرنے کے وقت اگر تصوّر شیخ ہو تو الٹا سلب کرنے والے کو نقصان ہو سکتا ہے۔

۲۹۔ رزق میں برکت کا ہونا

عبادت کرنے والوں کے رزق اور عمر میں برکت عطا کر دی جاتی ہے چنانچہ ذکر کرنے والے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ذکر کرنے والوں کو حلال و حرام رزق میں بھی تمیز ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا قلب روشن اور ضمیر بیدار ہوتا ہے۔

۳۰۔ رقّتِ قلب اور گریہ کا جاری ہونا

ذکر کے اثرات سے قلب رقیق ہو جاتا ہے اور قلب سے زنگ اور میل کچیل کا غلاف اتر جانے کے باعث رقّت آمیز کلام یا کیفیت سے فوراً قلب پر اثر ہوتا ہے اور گریہ کی کیفیت

طاری ہو جاتی ہے۔ داتا گنج بخش "غیبت اور حضور" کے باب میں حضرت جنید بغدادی" کا قول لکھتے ہیں کہ کبھی ہم (جنید") پر ایسا وقت ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور پھر ایسا وقت آیا کہ مجھے اُن کی غیبت پر رونا پڑا۔ اب یہ حالت ہے کہ مجھے نہ زمین و آسمان کی خبر ہے اور نہ اپنا پتہ ہے۔

۳۱۔ روح کا مقامِ محمود کی طرف پرواز کرنا

ذکر کے دوران جب مکمل نفی ہو جائے تو انسان کے دل و دماغ سے تمام خیالات خیر و شر بھی نفی ہو جاتے ہیں اور کسی بات کا احساس تک نہیں رہتا حتیٰ کہ اس کو اپنے وجود اور در و دیوار کا خیال بھی نہیں محسوس ہوتا۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ دنیا سے دور ہو گا تو لامحالہ خدا کے قریب ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی روح اپنے مقامِ محمود کی طرف پرواز کرنے لگتی ہے۔ مقام محمود اپنی بلندی کے باعث اور حائل شدہ حجابات کے اٹھنے کے باعث خدا کے عرش سے نسبتاً زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس جگہ پر انوارِ الٰہی دنیا کے مقابلے میں زیادہ لطیف ہوتے ہیں۔ ان لطیف انوار کی وجہ سے سالک پر اَسرار کھلنے لگ جاتے ہیں۔ اَسرار کے کھلنے کی وضاحت آنے والے عنوان میں کی جا رہی ہے۔

۳۲۔ قلزمِ دل کے اَسرار کا کھلنا

درجِ بالا لطیف انوار سالک پر اُس وقت نازل ہوتے ہیں جب اس کی روح مقامِ محمود کی طرف قرار پکڑتی ہے اور جب یہ لطیف انوار سالک پر نازل ہوتے ہیں تو اس کے دل میں موجود خدائی اَسرار پھوٹنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر ایک گملے میں کسی پودے کے بیج ڈال کر گملے کو کسی اندھیرے مقام میں رکھ دیا جائے تو قیامت تک اس میں موجود بیج پھوٹ نہ سکیں گے کیونکہ بیج کے پھوٹنے کے لئے سورج کی روشنی ضروری ہے۔ اسی طرح انسانی قلب کے قلزم میں موجود خدائی اسرار اس وقت تک پھوٹ نہیں سکتے جب تک اس پر اسرار الٰہی کی ضوفشانی نہ ہو۔ جب روح عالم بالا میں لطیف اسرار سے متاثر ہوتی ہے تو فوراً اس سے اسرار کی نمود شروع ہو جائے گی جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ یہ اسرار ضربِ کلیمی (ذکرِ الٰہی) کے بغیر پھوٹ نہیں سکتے۔

کھلتے نہیں اِس قلزمِ خاموش کے اَسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

جب یہ اسرار پھوٹنے لگیں تو سالک کے جسم میں سے مخفی اسرار، مختلف کمالات، کرامات، انوار اور اخلاقِ حسنہ کی صورت میں نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اس کے چہرے سے نورانیت ٹپکنے لگتی ہے۔

۳۳۔ ملکوتی صفات کا ظاہر ہونا

اس کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ فرشتوں پر ملکوتی جہت (سمت یا صفت) کو غالب کر دیا گیا ہے لیکن جب وہ چاہیں تو بشری صفت میں بھی خود کو ظاہر کر سکتے ہیں (جیسا کہ جبریل علیہ دحیہ کلبی ؓ کی شکل اختیار کر کے بھی آیا کرتے تھے)۔ عین اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر عام طور پر تو بشری صفت کو غالب کر دیا ہے مگر وہ بھی جب چاہیں تو ملکوتی (نورانی) صفت غالب کر کے عالم بالا میں پرواز کر سکتے ہیں۔ اس صفت کا طاری کرنا عبادات اور روحانی اشغال کے سبب ہوتا ہے اور ذکر الٰہی کو روحانی اشغال میں بہت بڑا دخل ہے چنانچہ ذکر کے بغیر اس صفت کا حاصل ہونا بعید از قیاس ہے۔

۳۴۔ اسمِ اعظم کا حاصل ہونا

اسمِ اعظم کے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ مگر اس کی مکمل تفصیل اس جگہ بیان کرنا ممکن نہیں۔ بہت سے صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ لفظ "اللہ" ہی اسمِ اعظم ہے لیکن اس کی تاثیر اس وقت قائم ہوتی ہے جب ذکر کے ذریعے اسمِ ذات کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر اس قدر غالب ہو جائے کہ سالک کو سوائے ذکر کے اور کچھ یاد نہ رہے اور اس کے اخلاق اور کردار کی ذکر کے ساتھ مطابقت ہو جائے یعنی قال اور حال میں تفاوت نہ رہے۔ یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان کے لئے مٹی اور سونا کی حیثیت یکسر ہو جائے بلکہ اس کے نزدیک مٹی کی قدر و قیمت سونے سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسم اعظم کی تاثیر کا پایا جانا ذکر سے منسلک اور قائم ہوتا ہے۔

اسمِ رب یا اسمِ ذات سے اسمِ اشارہ مراد ہے یعنی لفظ اللہ ہی اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باقی نام اللہ کے صفاتی نام ہیں جو کسی ایک صفت کو ظاہر کرتے ہیں اور لفظ اللہ کو ہی ذات پاک کا نام ہونے کا شرف حاصل ہے کیونکہ اس میں جذب و کشش اور تاثراتِ فنا و بقا موجود ہیں۔ اس نام کا ہر ہر حرف ذات احدیت پر دلالت کرتا ہے۔ دیکھئے اگر لفظ اللہ سے "الف" کو ختم کر دیا جائے تو للہ (اللہ کیلئے) رہ جاتا ہے اور اگر اگلے حرف "ل" کو مٹا دیں تو "لہٗ" رہ جاتا ہے (یعنی اس اللہ کے لئے) اور اگر "ل" کو بھی اڑا دیا جائے تو "ہ" رہ جاتا ہے جو اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر ہم صفاتی ناموں پر غور کریں تو تمام صفات بھی "ہٗ" یعنی اس کی ذات کی طرف نسبت رکھتی ہیں جیسے فرمایا گیا "وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" (تمام آسمائے حسنہ اللہ ہی کے لئے ہیں) چنانچہ اسمِ اللہ تمام صفتوں پر حاوی ہے اور اسی لئے اس نام میں بے چونی اور بے چکونی پائی جاتی ہے یعنی یہ وہ نام ہے جو کسی مثال سے نہیں سمجھایا جا سکتا چنانچہ کلام پاک میں فرمایا گیا ہے "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ" (پاکی ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو۔ الصّٰفّٰت۔ ۱۸۰) لہٰذا اس کو کسی شکل، صفت یا صورت سے باہر تلاش کرنا چاہئے۔

سورۂ المزمل میں فرمایا گیا ہے "وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا" یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جا۔ اس سے ترکِ دنیا مراد نہیں بلکہ عبادت کے وقت دنیا سے قطع تعلق کرنا مراد ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم ہی اٹھتے ہیں تو منزل آجاتی ہے۔ پہلا قدم مخلوق سے قطع اور دوسرا قدم وصول الی الحق۔ ایسا ذکر جس میں جذبِ الٰہی ہو یا شیخِ کامل کی کشش نصیب ہو تو وہ "تبتل" کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

۳۵۔ ذاکر کا اللہ تعالیٰ خود ذکر کرتا ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ اپنی تنہائی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اپنی تنہائی میں کرتا ہوں اور جب وہ کسی مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس کی مجلس سے بہتر مجلس یعنی فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اس حدیث کی گواہی قرآن مجید سورۂ البقرہ کی ایک آیت مبارکہ میں دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ (تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔ البقرہ ۱۵۲) چنانچہ ایک صحابی کا قول ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا کس وقت ذکر کرتا ہے۔

ذکر کے متعلق تمام احادیث اور کمالات کا ذکر اس مختصر تحریر میں تو کیا، کسی بڑی سے بڑی تحریر میں بھی بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کے ذکر کا احاطہ بھی ممکن نہیں۔ سورۂ کھف میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تمام سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو کلمات اللہ (اللہ کی باتوں) کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے، ایک عام مسلمان کے لئے کافی ہے۔ مزید شوق ہو تو کتب متعلقہ کا مطالعہ کریں۔

ذکر کی تعداد اور صحتِ ذکر کے مخفی راز

راقم الحروف کا تجربہ اس بات پر منتج ہوتا ہے کہ پہلے تو ذکر کا صحیح طریقہ کسی شیخ سے حاصل کرے اور پھر جب ذکر کرے تو اس کی صحت کا مکمل خیال رکھے۔ تھوڑا ذکر اگر بطریقِ احسن کیا جائے تو ایسے طریقے سے کئے جانے والا ذکر، کثیر ذکر سے بہتر ہے۔ یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ ٹھیک ٹھیک ذکر بھی اس وقت رنگ دکھاتا ہے جب ذکر کی تعداد بھی اس حد تک پہنچا دی جائے جہاں جا کر ذکر کے درست اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ذاکر کو محسوس ہو جائے کہ اب ذکر کے اثرات مرتب ہونے شروع ہو گئے ہیں ایسے ذکر کو کچھ دیر تک بڑھاتا جائے حتیٰ کہ ذکر کے مطلوبہ اثرات حاصل کر لے۔ ایسی حالت میں پہنچ کر سالک خود اپنے مقام کی آپ گواہی دے گا۔

تعدادِ ذکر

صوفیائے کرام کا دستور ہے کہ ذاکر کو روزانہ پانچ ہزار سے پچیس ہزار تک ذکر کی تلقین فرماتے ہیں مگر راقم الحروف نے ذکر کے جس انداز کو قائم کرنے کا بیان اوپر درج کیا ہے وہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال کثرتِ ذکر کی تاکید قرآن میں موجود ہے۔

صوفیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی صبح کے وقت ہر روز ایک ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرے تو رزق میں برکت ہوتی ہے اور اگر دوپہر کو کرے تو باطن پر شیاطین اثر نہیں کرتے اور جو کوئی غیب کے اسرار کھلنے کی نیت سے ذکر کرے تو اس پر ملکوت کے پردے کھلے جاتے ہیں۔

راقم الحروف کے ایک مرید نے تہجد سے دو گھنٹے قبل انتہائے سحر تک، تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے روزانہ ذکر کیا تو دس روز میں ہی اس پر ملکوت کے دروازے کھل گئے لیکن ابتدا میں ایک دم اس قدر زیادہ ذکر کرنے سے سالک کے بیمار ہو جانے کا شدید خطرہ رہتا ہے۔

طریقۂ ذکر

(جو شیخ سے اخذ کیا جاتا ہے)

ذکر کا طریقہ معلوم کرنے سے پہلے ذاکر کو قلب اور نفس کے متعلق ضروری معلومات کا علم حاصل کر لینا چاہیئے کیونکہ ذکر کا اصل مقصد ان دونوں کی اصلاح کرنا ہے۔

قلب کی حقیقت

انسان کے سینے میں قلب ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو سارے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس گوشت پوست والے دل (صنوبری قلب) کے اندر ایک اور نورانی یا حقیقی قلب پایا جاتا ہے اور یہی قلب اصلی قلب کہلاتا ہے جب کہ صنوبری قلب اس نورانی قلب کے لئے ایک حجرے کے مانند ہے۔ جب کسی شخص کے دل میں برا خیال سوار ہو جاتا ہے یا کوئی گناہ کرتا ہے تو نورانی قلب پر ایک سیاہ دھبّہ لگ جاتا ہے۔ بار بار گناہ کرنے سے یہ دل بالکل سیاہ یا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اور گناہوں کی میل کچیل اس کی اصل صورت کو بگاڑ دیتی ہے۔ ایسا قلب آسانی سے نفس کی حکمرانی کو قبول کر لیتا ہے اور اس طرح دل پر نفس کا تسلط ہو جاتا ہے چنانچہ اس کا نفس جو کرنا چاہتا ہے دل اس کی پیروی کرنے لگتا ہے ایسے دل میں توجہ الی اللہ بالکل ہی نہیں رہتی۔ بزرگوں نے اس کا میل کچیل دور کرنے کے لئے ذکر کا طریقہ رائج کیا ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ کا قول ہے کہ قلب اپنی ذات میں پاکیزہ اور نورانی ہے۔ اس کے چہرے پر زنگ اور میل کچیل تاریک نفس کی ہمسائیگی کی وجہ سے بیٹھ گیا ہے لیکن تھوڑی سی صفائی کے بعد اپنی اصل صورت اور حالت کی طرف لوٹ کر آ سکتا ہے اور دوبارہ نورانی ہو جاتا ہے۔ جب تک قلبِ نفس کی حکمرانی سے چھٹکارا حاصل نہ کرے اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ محض فضلِ خداوندی سے متزکّی اور مطہر نہ ہو جائے اس وقت تک نفس کی حکومت سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ جب تک نفس کی غلامی میں ہو تو قلب کی اصلاح متّصور نہیں ہو سکتی چنانچہ اتباعِ شریعت کے ساتھ بار بار ذکر کرنے سے اور ذکر کی گرمی پیدا ہو جانے سے قلب کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے او وہ دوبارہ نورانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ذکر کرنے کے لئے یہی مقصد پیش نظر ہوتا ہے کہ قلب پر نفس کی حکمرانی قائم نہ ہو اور یہ نفس کی آمیزش سے محفوظ رہ سکے۔ اسی لئے لفظ "لا" کو اس طرح سے کھینچا جاتا ہے کہ نفس دل و دماغ کے

ماتحت رہ کر اپنی بغاوت اور سرکشی سے باز آ جائے۔

نفس کی حقیقت

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ قلب اپنی فطرت اور جبلّت میں نورانی ہے لیکن اس کے برعکس نفس اپنی فطرت اور جبلّت میں خبیث ہے۔ تاریکی اس کی ذات کی صفت ہے (یہ انسانوں کو تاریکی یعنی برے کاموں کی طرف راہنمائی کرتا ہے) جب تک نفس قلب کی ریاست کے ماتحت رہ کر بمطابق سنت اور اتباعِ شریعت اور فضلِ خداوندی پاک اور مطہّر اور متزکی نہ ہو جائے تو اس کا خبث ذاتی دور نہیں ہو سکتا۔ انسان کا نفسِ امّارہ، جاہ اور سرداری کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا ارادہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہم عصر لوگوں پر بلندی اور فوقیت حاصل کرے۔ اس کی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور اس پر کوئی حکم نہ چلائے۔ دراصل یہ اس کی طرف سے دعویٰ خدائی ہے کیونکہ یہ تمام صفات اللہ کے لئے زیب دیتی ہیں جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ خدا کے ساتھ نفس کا دعویٰ ہمسری ہے۔ یہ نفس شرکت پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور باقی سب اس کے محکوم اور تابع ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نفس کے ساتھ عداوت رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ نفس خدا کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ حضرت شیخ صدر الدین ؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہر سانس میں ذکر (پاس انفاس) کیا جائے تو وسوسہ اور حدیثِ نفس ذکر کے نور سے جل جاتے ہیں اور دل میں ذکر کا نور اتر آتا ہے اور ذاکر مشاہدہ حاصل کر لیتا ہے۔

طریقۂ ذکر (نفی اثبات)

صوفیا کا قول ہے کہ انسانی جسم میں نفس کا مقام ناف سے ایک آدھ انچ نیچے ہے۔ یہ وہ مرکز ہے جہاں سے نفسیاتی خواہشات کی تکمیل کے لئے نفس کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔ نفس اسی مرکز سے جسم کے مختلف حصوں کو ان کاموں کا حکم دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ چنانچہ سالک جب ذکر کے لئے بیٹھے تو اسی نفسانی خواہشات کے مرکز (جو ناف سے نیچے واقع ہے) کی طرف توجہ کرے اور وہاں سے لفظ "لا" کو اپنے سینے کی طرف اور پھر اُمّ الدّماغ یعنی پیشانی کی طرف اس طرح کھینچے کہ جوں جوں اس کا سر ناف سے پیشانی کی طرف آئے تو ساتھ ہی وہ یہ محسوس کرے کہ اس کا نفس بھی اوپر پیشانی کی طرف آ گیا ہے اور وہ عقل کے تابع ہو گیا ہے۔ جیسے جیسے سالک کا سر نفس کے مقام سے پیشانی کی طرف آتا رہے اسی طرح وہ اپنے خیالات اور وجود کی نفی کرتا جائے حتیٰ کہ جب اس کا سر متوازی حالت میں سیدھا ہو جائے۔ یعنی لفظ "لا" پیشانی تک پہنچ جائے تو اس وقت سالک کو مکمل نفی حاصل ہو جانی چاہئے۔

اس نفی میں یہ خیال رکھا جائے کہ ذاکر کے دل میں نہ تو کوئی اچھا خیال باقی رہے اور نہ ہی برا خیال اس کے دماغ میں رہے۔ اسی طرح کسی کے ساتھ محبت یا نفرت کے جذبات بھی ختم ہو جانے چاہیں حتیٰ کہ اپنے جسم کی نفی بھی ہو جائے اور ذاکر یہ محسوس کرے کہ اس کا جسم بھی ختم ہو گیا ہے اور پھر یہ بھی محسوس کرے کہ اس کے نیچے زمین اور ارد گرد کے در و دیوار بھی نفی ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ مکمل نفی اسی وقت ہو گی جب خیالات، احساسات سے خالی ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی کوئی احساس نہ ہو۔ اگر اس طرز کی نفی حاصل ہو گئی تو سمجھ لیں کہ فنا کا مقام حاصل ہو گیا اور ذکر کا مقصد تقریباً تقریباً حاصل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد گردن کو دائیں مونڈھے کی طرف جھکائیں اور ساتھ ہی کہیں "اِلٰہ" جونہی سر مونڈھے کی طرف جھکے تو اگر کوئی ذہن میں خیال باقی رہ گیا ہو تو اسی وقت نفی کر دینا چاہیئے تاکہ مکمل نفی حاصل ہو جائے۔

درج بالا طریقے سے جب لاالہ کہہ دیا اور مکمل نفی ہو گئی تو بائیں طرف موجود قلب کے اوپر سر کے ذریعے زور دار جھٹکا یا ضرب لگائیں اور کہیں "اِلّا اللہ" (خیال رہے کہ ضرب ابتدائے ذکر میں ذرا آہستہ لگائی جائے تاکہ گردن میں درد شروع نہ ہو جائے لیکن رفتہ رفتہ اس ضرب کو زور دار کرتے جائیں تاکہ جب قلب کے اوپر ضرب لگے تو اس میں پوری گرمی پیدا ہو سکے۔ اس گرمی سے دل کا میل کچیل اور زنگ دور ہو جائے۔ جب اِلّا اللہ کی ضرب لگائے تو اس وقت یہ احساس کرے کہ ہاں ہے مگر اللہ۔ "لَااِلٰہ" میں ہر چیز کی نفی تھی۔ اسی لئے اس ذکر کو ذکرِ "نفی اثبات" کہا جاتا ہے۔ اِلّا اللہ میں اثبات ہے یعنی خدا کا ہونا محسوس کرے اور دل میں یہ خواہش بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی رنگ میں نظر آنے لگے یا محسوس ہونا شروع ہو جائے۔ جو لوگ ضرب نہیں لگاتے ان کے دل پر اثر بھی کم ہوتا ہے اور مقصود حاصل ہونے میں کافی دیر لگ جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل شعر کے مطابق ایسی ضرب کاری لگائی جائے جس سے دل پاک، صاف اور بیدار ہو جائے۔

ع دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

لاالہ (نفی) اور الا اللہ (اثبات) کا ذکر پانچ، سات، نو، گیارہ یا اس سے زیادہ طاق اعداد میں کرنا بہتر ہے اور جب ذکر ختم کرنا چاہیئے تو کلمہ محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلمہ نفی اثبات کے ساتھ ملائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ کو سینے میں بائیں سے دائیں طرف اور پھر دائیں سے بائیں طرف دو تین دفعہ گھمائے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سینے میں پھیل جائے۔

یاد رہے کہ ذکر بے شک کم ہو لیکن صحیح طریقے سے کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس ذکر کے بعد لفظ "اللہ ھُو" کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب سانس اندر جائے تو اللہ کہے اور جب باہر جائے تو "ھُو" کہے۔ اور 'ھُو' کے ساتھ دل پر ضرب بھی لگائے۔ اللہ کے ورد میں اللہ کہنے کے بعد سر کو پیچھے کھینچے اور "ھُو" کے ساتھ دل پر ضرب لگائے۔ اس طرح بار بار "اللہ ھُو" کا ذکر تیزی کے ساتھ کرے۔ اسم ذات کے اس ذکر سے دل میں بے تحاشا گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ذاکر تنہا بیٹھا ہو تو بلند آواز سے

ذکر کر سکتا ہے۔ بلند آواز سے ذکر کرنا رخصت کی حد تک جائز ہے لیکن عزیمت ذکر خفی میں ہے۔ یعنی ذکر خفی زیادہ بہتر ہے۔ ذکر خفی میں اگر جھٹکا نہ بھی دیا جائے تب بھی درست ہے۔ یعنی لوگوں کی موجودگی میں ہلکے سے اشارے کے ساتھ بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد مراقبہ کرے۔

مراقبہ میں تو لفظ "اللہ" یا "اللہ ہُو" کو قلب پر گزارنا ہوتا ہے اور جسم کو قطعاً حرکت نہیں دی جاتی اس قسم کا ذکر کرنے سے کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کوئی ذکر کر رہا ہے۔ مراقبہ کا طریقہ ہماری "حضور قلب" کی کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے اور اگلے باب کے آخیر میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ اپنے مرید کے کان میں کوئی بات کہہ دیتا ہے تو مرید پر اَسرارِ الٰہی کھل جاتے ہیں اور اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے پیر اور مرید کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ آپ کا قول یہ بھی ہے کہ اگر شیخ چاہے تو وہاں سے اٹھنے سے پہلے مرید کو واصل باللہ کر دیتا ہے۔

ذکر کے چند خوبصورت نکات

ذکر کا مفہوم

قرآن مجید میں ذکر کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بزرگی بیان کرنا ہے۔ لغت کے اعتبار سے ذکر کے معنی اللہ کو (یا کسی چیز کو) یاد کرنا، کسی کی شہرت، تعریف یا شرف کو بیان کرنا ہے۔ ذکر کا لفظ قرآن میں نماز، دعا، نصیحت یا محبت اور استحضار (حاضر کرنے) کے لحاظ سے دل اور زبان پر کسی چیز کو حاضر کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

عربی اور اردو زبان میں کسی کے قول کو بھی ذکر کہا جاتا ہے۔ نسیان کے بعد کسی چیز کو یاد کرنا یا بغیر نسیان کے کسی چیز کو ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے بھی ذکر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ وقت نزع حضرت ابو بکر شبلیؒ کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے دل میں ہر وقت اللہ کی یاد ہو تو اس کو کلمہ پڑھنے کے لئے کیا کہتے ہو۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومن کا دل تو ہر وقت اللہ کے ذکر سے آباد رہتا ہے۔

اِنَّ بَیْتٍ اَنْتَ سَاکِنَہٗ   غَیْرُ مُحْتَاجٍ اِلَی السُّرُجِ

ترجمہ (بے شک وہ گھر جس میں تو ساکن ہو جائے، وہ کسی سورج کی روشنی کا محتاج نہیں)

قرآن مجید میں کبھی ذکر کے معنی قرآن کے لئے گئے ہیں اور کہیں اہلِ ذکر کے الفاظ کو اہلِ قرآن کے لئے استعمال کیا ہے۔ وصف کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "الذکر" فرمایا گیا ہے کیونکہ آپ کا ذکر پہلی امتوں اور کتابوں میں بھی کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کو کلمۃ اللہ فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ایک کلمے سے تخلیق فرمایا۔

قرآن کی حسبِ ذیل آیت میں ذکر کا لفظ اللہ تعالیٰ کی یاد کو تازہ رکھنے کے معنوں میں یا اس کی بزرگی اور پاکی کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ط (البقرہ ۲۰۰)

"خدا کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے، بلکہ اِس سے بھی زیادہ"

قرآن میں الذکریٰ کے لفظ میں کثرت سے ذکر کرنا ظاہر کیا گیا ہے اور اس لفظ میں

الذکر سے زیادہ مبالغہ ظاہر ہوتا ہے۔

ایک اہم بات جو قرآن سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کائنات کی تمام امتوں کو اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمایا کہ میرے انعامات کا ذکر کرو کیونکہ وہ امتیں اللہ تعالیٰ کو انعامات کے ذریعے پہچانتی تھیں۔ چنانچہ ان کو انعامات الٰہیہ میں غور و فکر کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ بنی اسرائیل کو فرمایا:

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ (البقرہ ۱۵۲)

"اے اولاد یعقوب، یاد کرو میرا وہ احسان، جو میں نے تم پر کیا"

ہم دیکھتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کو (اور بنابرایں امت محمدیہ کو) ذکر کا حکم دیا تو انہیں اپنی نعمتوں کے ذکر میں مصروف رہنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اپنی ذات کے ذکر کے لئے کہا۔ چونکہ صحابہ کرام کو معرفتِ الٰہی میں فوقیت حاصل تھی اس لئے انہیں اپنی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بجائے براہ راست اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا جیسے فرمایا

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ (البقرہ ۱۵۲)

"تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کرونگا"

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام امتوں کے لئے یہ راستہ متعین فرمایا کہ میری نعمتوں کا چرچا کرو۔ لہٰذا کائنات کی تمام امتوں کو اپنی صفات کے دائرے کے اندر رکھا اور اُمتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے ساتھ وابستہ فرمایا۔ یعنی خدا نے فرمایا کہ باقی امتیں تو اپنے آپ کو میری صفات سے وابستہ رکھیں اور نعمتوں کا شکر ادا کریں لیکن محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے آپ کو میری ذات سے ہی وابستہ رکھے۔ یعنی امت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا کہ تم نے شکر کرنا ہو تو میری نعمتوں کا شکر کرو اور جب ذکر کرنا ہو تو پھر میرا ذکر کرو۔ نہ کمی شکر میں ہو نہ کمی ذکر میں ہو۔ حضرت علامہ علاؤالدین صدیقی نقشبندی غزنوی نے جو چند نفیس نکات اپنی ایک لاہور کی روحانی مجلس میں بیان فرمائے ان کا خلاصہ نیچے شامل کیا جا رہا ہے تاکہ سب لوگ اس سے مستفیض ہو سکیں۔

آپ نے فرمایا کہ قرآن میں متعدد بار ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میری نعمتوں کا شکر کرو جیسا کہ سورہ والضحیٰ میں بھی فرمایا ہے "وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ" (اور اپنے رب کریم کی نعمت کا چرچا کرو) محققین لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بہت سی ہیں اور اتنی ساری نعمتوں کا شکر ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، اس لئے مذکورہ بالا آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم میری ایک نعمت کا ہی چرچا کرو۔ اگر اس نعمت کے متعلق غور کریں تو اللہ تعالیٰ کا یہ منشا معلوم ہو جاتا ہے کہ میں نے تم کو جو اپنا محبوب بطورِ نمونہ اور بطورِ احسان عطا فرمایا ہے۔ تم اس ایک نعمت کو ہی راضی کر لو اور بس اسی کے ہو جاؤ تاکہ وہ نعمت تمہاری اور تم اس نعمت کے بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس بات میں معلوم ہوتی ہے کہ ہم اس نعمت سے اس طرح منسلک ہو جائیں کہ ۔؎

دل میں تو، ذہن میں تو، ذکر میں تو، فکر میں تو
بجز تیرے اور خیالات میں کون آتا ہے۔

جب اس نعمت سے منسلک ہونے کی یہ منزل ہو گئی تو گویا آپ اس نعمت سے وابستہ ہو گئے۔ جب نعمت سے آپ وابستہ ہو گئے تو وہ راضی ہو گئے اور شکر کے درجہ میں آپ کامیاب ہو گئے۔ اب رہ گیا ذکر۔ تو ذکر میں آپ کو نہیں رکھا گیا۔ چونکہ ہمیں وہ نعمت ملی جس کے صدقہ میں ساری نعمتوں کو وجود ملا ہے۔ تو جب نعمت مل ہی گئی تو اب نعمت کا کیا ذکر کرنا ہے۔ اس نعمت کے شکر میں تو آپ کامیاب ہو ہی گئے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نعمت سے گزر کر میرا ذکر کرو کیوں کہ میرے نبی کے شکر کے بعد اب میرے ذکر کا مقام ہے۔ وہ نعمت کی جگہ ہیں اور میں ربوبیت کی جگہ پر ہوں۔ للٰذا تم اس نعمت کے اور وہ نعمت میری نسبت سے ہے۔ اس لئے اب تم بھی میرے ہو گئے ہو۔ جب تم میرے ہو گئے تو تمہیں نعمتوں کے شکر میں نہیں رکھوں گا۔ اپنی ذات سے وابستہ کر لوں گا۔ (سبحان اللہ)

ذکر کونسا اور کس کا کرو گے

اوپر جو بیان ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا میری صفات کے ذکر میں رہے مگر اے امتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم میری ذات کے ذکر میں رہو۔ جب آپ اس ذاتِ واحد سے وابستہ ہو گئے تو پھر ذکر جاری ہو گیا۔ پھر کون سا ذکر کرو گے۔ ظاہر ہے کہ جس سے پیار ہو اس کو اس کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے۔ رب العالمین کا کون سا نام، سب سے اول، سب سے آخر، سب سے قریب، سب سے جامع، سب سے مانع اور سب سے قوی ہے جو اس واحد ذات لاشریک پر زیادہ دلالت کرتا ہے؟ وہ ہے لفظِ "اللہ" یہ اس کا نام ہے۔ نام اور ذات میں فرق ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرا ذکر کرو۔ یہ کہاں فرمایا کہ میرا نام لو؟ یہ کہاں فرمایا ہے کہ میرا نام لیتے چلو؟ جب ہم اس کو یاد کریں گے تو کسی وسیلے سے کریں گے؟ اس کی ذات کا وسیلہ اس کا نام ہی تو ہے۔ کیونکہ اس کے نام کو چھوڑ کر اس کی ذات تک نہیں پہنچا جا سکتا۔

نعمتِ رسولؐ کا شکر کرنا بھی ذکر ہے

غور کا مقام ہے کہ سورہ والضحیٰ کی مذکورہ آیت میں اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرنے کو کہا، تو نعمت ایک نہیں ہے۔ نعمت کی جمع انعام ہے۔ اللہ نے جمع کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ واحد کا لفظ اس میں استعمال ہوا ہے مگر نعمت ایک نہیں کیونکہ جسم نعمت، ایمان نعمت، اسلام نعمت، جان نعمت، زندگی نعمت اور کھانا پینا بھی نعمت ہے۔ ماں باپ، بیوی بچے اور اولاد بھی نعمت ہے۔ مکان نعمت، سونا جاگنا نعمت؛ دولت، عزت، آبرو بھی نعمت ہے۔ سونا چاندی جواہرات ہیرے تاج، امارت، ثروت، دولت، دیانت، متانت، سب ہی نعمت ہی نعمت ہیں۔ مگر اس سب کی مثال ایسے ہے جیسے درخت کی اور ٹہنیوں

کی اور ان کے ساتھ لگے ہوئے پتوں کی اور ان پتوں کے درمیان لٹکے ہوئے پھلوں کی۔ لیکن یہ سارا درخت یعنی پتے، تنا، اس کی رگیں، اس کی تراوت تمام چیزیں وابستہ ہیں جڑ سے۔ اگر جڑ نہ ہو تو درخت نہیں ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور میرا نبیؐ ایک طرف یعنی یہ نعمتیں جب ہیں جب میرا نبیؐ ہے۔ (سبحان اللہ)

درج بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہ نعمت ہیں کہ جس نعمت کے صدقہ میں سب نعمتیں وجود میں آئیں۔ یعنی ساری نعمتیں اس ایک بڑی نعمت سے وابستہ ہیں، تو تم شکر اس نعمت کا کرو۔ فرمان باری ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل-۱۸) اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو اور احاطہ تحریر و شمار میں لانا چاہو تو لا سکو گے؟ بالکل نہیں! تو رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشکر والی۔ جتنی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کے بدلے میں میری ایک نعمت کا شکر ادا کرو۔ تم کس کس کا شکر ادا کرو گے، جتنی نعمتیں ملی ہیں کیا ہر نعمت کا شکر ادا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ آپ کی قوت میں ہے؟ آپ کی توفیق میں ہے کہ اس کی عطا کردہ ساری نعمتوں کا شکر ادا کر سکو؟ نہیں! ہرگز نہیں! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نبی پاک کی امت بڑی محبوب ہے لہٰذا اللہ نے شکر اور ذکر کے دونوں درجوں میں کامیاب فرمانے کے لئے ایک حکمت وضع فرمائی ہے کہ ہر نعمت کا شکر ادا کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے اس لئے ایک نعمت کو راضی کر لو، سب کا شکر ادا ہو جائے گا۔ (سبحان اللہ) اسی ایک کو قابو کر لو۔ اسی ایک کے ہو جاؤ۔

پہلے خدا کے نام تک اور پھر خدا تک رسائی

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کے نام کو چھوڑ کر اس کی ذات تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ لہٰذا پہلے نام تک پہنچو۔ جب نام پختہ ہو گیا تو پھر کام ہو جائے گا۔ پہلے ہی دل یار تک کیسے پہنچو گے جب تک درِ یار تک نہ پہنچو گے۔ پہلے درِ یار تک تو پہنچو۔ پہلے ہی دل یار میں جگہ بنانا چاہتے ہو تو یہ ناممکن ہے۔ پہلے درِ یار تک پہنچو۔ ذات میں پہنچنا ہے تو اس کے نام تک پہنچو۔ اُس کے نام سے وابستگی ہو گئی تو اس حالت میں جب بولو گے تو اسی کا نام، سوچو گے تو اسی کا نام، پکارو گے تو اسی کا نام، سو جاؤ گے تو اسی کا نام دل میں ہو گا۔ بیدار رہو گے تو اس کا نام۔ مشکل ہو گی تو اُس کا نام۔ خوشی ہو گی تو اس کا نام یعنی ذکر ہو گا تو اسی کا فکر ہو گا تو اسی کا۔ گھر میں ہو تو نام اس کا، سفر میں ہو تو نام اس کا۔ فضا میں ہو تو نام اس کا اور جب اندر آتے ہو تو اسی کا نام، باہر جاتے ہو تو اسی کا نام، زبان پر اسی کا نام، نگاہ میں، دماغ میں، دل میں، روح میں اسی کا نام۔ سارا وجود اس کے نام سے وابستہ ہو گیا تو گویا آپ کو منزل کا راستہ مل گیا۔ (سبحان اللہ)

نامِ خدا، خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں

اگر اس لفظِ "اللہ" میں اللہ ہی اللہ ہوتا تو پھر ہر آدمی وابستۂ ذات ہوتا۔ چونکہ کوئی

نہ کوئی تو اسے پکارتا ہے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، جوان، چھوٹے اور بڑے خوشی میں نہ سہی دکھ میں تو اس کو پکارتے ہی ہیں۔ تو جب دکھ میں ہی خدا کو پکارے گا تو کیا خیال ہے اس عالم رنج و غم میں کیا وہ اس ذات سے وابستہ ہو گیا؟ نہیں! تو ماننا پڑے گا کہ نام خدا ذات خدا نہیں۔ لیکن ذات خدا سے جدا بھی نہیں۔ اللہ کا یہ نام ذاتی ہے لہٰذا یہ نام خدا کی ذات سے جدا نہیں۔ اس کے عرفان و پہچان حاصل کرنے کی بنیاد اول و آخر یہی ہے، گویا اللہ کا نام عین ذات الٰہی نہیں ہے۔ جب یہ عین ذات الٰہی نہیں ہے تو پھر میں آپ سے ایک بات دریافت کروں۔ فوراً سمجھ لیں اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا "یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے" یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسم اللہ ہی کافی نہ ہو تو رب تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا "کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو طمانیت، چین، آرام اور سکون ملتا ہے" کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ کا ذکر کرنے اور اس کا نام پکارنے سے ہی دل کو سکون مل سکتا ہے تو ایسا کرنے سے ذکر کا مطلب پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن سنو یہاں سے کوئی آدمی مدینہ منورہ جانا چاہے اور ٹکٹ لے کر جہاز میں بیٹھ جائے ٹکٹ جیب میں ہو۔ جہاز میں بیٹھ جائے۔ کیا وہ مطمئن ہو جاتا ہے یا نہیں۔ تو سوچو کہ ظاہراً یہ شخص مطمئن ہو جاتا ہے مگر ابھی وہ مدینے پہنچ نہیں گیا۔

ہم ایک اور مثال لیتے ہیں وہ یہ کہ ایک آدمی غریب ہے اسے پیسہ مل گیا۔ دولت جمع ہو گئی۔ دولت کی ضرورت تھی مل گئی۔ بتاؤ وہ مطمئن ہو گیا یا نہیں؟ ہو گیا! ماننا پڑے گا کہ ہو گیا۔ لیکن بھوک لگی۔ غلہ نہیں ہے تو کیا وہ نوٹ چبائے گا؟ سنو سنو یہ بڑی خوبصورت بحث ہے۔ توجہ رکھئے۔ نوٹوں کا ایک پرس یا بکس آپ کے پاس بھرا پڑا ہے۔ مگر پورے بازار میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ نوٹ آپ کے پاس ہے۔ تو کیا نوٹ ہاتھ میں رکھنے کے بعد آپ مطمئن ہو گے یا نہیں۔ نہیں، نہیں! (کیوں نہیں) جب پیسہ جیب میں ہو تو سب مطمئن ہوتے ہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد جیب پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ نوٹ ہیں یا نہیں، کیوں کہ ان کے ساتھ پیار تو بہت ہے۔ نماز میں بھی گنتے رہتے ہیں۔ کتنے رکھے تھے۔ کتنے گئے۔ کتنے رہ گئے۔ آدمی نماز میں بھی گننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کتنا پیار ہے اس کے ساتھ۔ ملازمت ہے تو اس دولت کے لئے۔ زمین ہے تو اس کے لئے۔ دکان ہے تو اس کے لئے۔ مکان ہے تو اس کے لئے۔ تعلیم ہے تو اس کے لئے کہ بس پیسہ کماؤ۔ تو گویا یہ ذریعہ ہے عزت و سکون کا۔ ماننا پڑے گا کہ پیسہ ذریعہ ہے عزت و سکون کا۔ جب یہ ذریعہ ہے تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ اب آپ کے پاس دولت ہے۔ بھوک لگ گئی۔ غلہ نہیں اور بغیر پیسہ کے ملتا بھی نہیں۔ پیسہ آپ کے پاس ہے بریف کیس، صندوق یا پرس بھرا پڑا ہے، لیکن اب بھوک کا علاج غذا کے ساتھ ہے۔ پیسے کے ساتھ نہیں۔ پیسہ غذا نہیں۔ تو جب بھوک لگے گی تو بتاؤ نوٹ چباؤ گے ۵، ۱۰، ۲۰ کا نوٹ چبا کر اگر حلق سے اتر جائے تو کیا بھوک ختم ہو جائے گی؟ نہیں! نہیں ختم ہو گی اور اگر پیاس لگ گئی اور بغیر پیسہ کے پانی نہیں ملتا اور آپ کے پاس پیسہ ہے مگر پانی نہیں ملتا۔ تو پیاس نہیں بجھے گی۔

معلوم ہوا کہ غذا بغیر پیسہ کے نہیں ملتی۔ تو غذا سے پہلے پیسہ چاہیئے اور پانی بغیر پیسہ کے نہیں ملتا۔ تو پانی سے پہلے پیسہ چاہیئے، پانی کے بغیر جینا مشکل ہے لہٰذا پہلے پیسہ چاہیئے۔ تا کہ پانی ملے اور پانی ملے تو زندگانی ملے۔ پانی مقصود ہے۔

ذکر مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ ہے

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ پیاس میں پانی مقصود ہے اور پیسہ مقصود حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ غذا مقصود ہے، مقصود حاصل کرنے کے لئے رقم، روپیہ، پیسہ وسیلہ ہے۔ مکان مقصود ہے پیسے کے بغیر نہیں ملتا۔ پیسہ ہو گا تو مکان ملے گا۔ مکان مل گیا تو مقصد حاصل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ مقصد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ چاہیئے جو قاصد اور مقصود کے درمیان چلتا ہے اور دونوں کو ملاتا ہے۔

جب کسی کو مدینہ شریف جانا ہو تو ٹکٹ مشکل سے ملتا ہے۔ جب مل گیا اور جہاز میں بیٹھ گیا تو مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں اب گیا سو گیا۔ بس اب میں پہنچا ہی پہنچا۔ وہ اتنا خوش ہوتا ہے کہ میں پہنچا، لیکن ابھی وہاں پہنچا نہیں، خوش ہو گیا اور مطمئن ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح پانی کے بغیر پیاس بجھانا مشکل ہے اور پانی کا حصول پیسہ کے بغیر مشکل ہے اسی طرح عزیزانِ من! مقصودِ خدا ہے اور وہاں پہنچانے کا جو وسیلہ ہے وہ نامِ خدا ہے۔ یہ نامِ خدا ہے۔ نام مل گیا تو آدمی مطمئن ہو گیا کہ اب خدا ملے ہی ملے۔ نام مل گیا۔ نام سے پیار ہو گیا تو آدمی مطمئن ہو گیا۔

جب گھر کا راستہ مل گیا تو گھر کیوں نہ ملے گا

جس کا نام مل گیا تو اس کی ذات کیسے نہ ملے گی۔ جس گھر کا راستہ مل گیا وہ گھر کیسے نہ ملے گا۔ تو گویا ذکر جاری ہو گیا تو مذکور قریب آ گیا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ رب العالمین نے یہ تجویز خود پیش کی ہے اور ذکر کو بھی درمیان میں لایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے "فَاذْكُرُوا اللہ" یعنی اللہ کا ذکر کرو۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے ذکر کے ساتھ میری نعمت کا شکر بھی کرو اور حضرت قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں! اذکار جتنے بھی ہیں، یہ سب خدا تک پہنچانے والے ہیں اور ہر ذکر خداوند کی ذات سے وابستہ ہے جدا نہیں۔ لیکن سارے اذکار کو ہٹا کر خدا ایک ذکر ہمارے سامنے رکھ رہا ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ ہے ذکر حبیب۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں " یَا حَبِیْبِیْ جَعَلْتُکَ ذِکْرًا مِّنْ ذِکْرِیْ " اے میرے محبوب تم میرا ذکر ہو۔ آپ کے ذکر کو ہی میں نے اپنا ذکر بنا لیا ہے۔ ساری نعمتوں کی بنیاد اور سب سے بڑی نعمت آپ ہیں اور آپ ہی میری نعمت اور میرا ذکر ہیں۔ تو گویا جس کو ذاتِ نبی ﷺ مل گئی اس کو ذکرِ خدا مل گیا "سبحان اللہ"۔ جس کو ذکرِ خدا مل گیا تو اس کو اطمینان مل گیا۔ تو پھر جس کے دل میں جمالِ

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آگیا اطمینان پایا کہ نہ پایا؟ اطمینان مل گیا۔ اس لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر رکھا ہے کہ جب تک میرا ذکر دل میں نہیں جائے گا میرے ذاتی جلوے وہاں نہیں جائیں گے۔ جب تک ذکر اندر نہیں جائے گا مذکور کا نور اندر نہیں جائے گا۔ ذکر میرا محبوب ہے۔ جس دل میں میرا

محبوب گیا میں بھی وہیں آ جاؤں گا "سبحان اللہ" لفظِ اللہ چوں کہ اسمِ ذاتی ہے۔ اس لئے ہم بار بار اس کو پکارتے ہیں کہ جب یہ پختہ ہو گا تو پھر ہی اللہ تک راستہ ملے گا۔

اللہ کا نام ذکرِ خدا کی محبت کا نشان ہے

آپ کو پتہ ہو گا کہ ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں اور ہر جماعت کا اپنا جھنڈا ہوتا ہے۔ ہر ایک کو پتہ ہے کہ میری جماعت کی نشانی کیا ہے۔ جو لیڈر ہوتا ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ میرے چاہنے والے اور ماننے والے کہاں کہاں رہتے ہیں لیکن وہ جہاں سے گزرے اور اپنی پارٹی کا جھنڈا جس مکان میں نظر آئے تو فوراً اس جھنڈے کو دیکھ کر مکان والے سے محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ میرا ہے۔ جھنڈا دیکھتے ہی وہ گھر والوں کو پہچان لیتا ہے یعنی گھر والوں کو نہیں پہچانتا پہچانتا اپنی نشانی کو ہے۔ نہ اس گھر کے مرد کو پہچانے نہ لڑکے کو نہ لڑکی کو نہ عورت کو پہچانے نہ بوڑھے کو نہ جوان کو پہچانتا ہے۔ بس ایسے گزر گیا، جھنڈا دیکھا، اس گھر کی در و دیوار سے اسے انس ہو گیا کہ اس گھر میں کوئی میرا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جہاں اپنا ذکر دیکھتا وہیں اپنی رحمت کے دریا بہا دیتا ہے

رب تعالیٰ بھی اپنے نام کے ذکر کے جھنڈے تقسیم کر کے دیکھتا ہے کہ کہاں کہاں ہے میرا نشان۔ جہاں اس نے اپنا نام دیکھا وہیں ذات کے جلوے عطا کئے۔ لطف کی بات عرض کروں کہ جب کوئی لیڈر کسی گھر والے کو جانے بغیر جھنڈے سے پیار کرنے لگتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو گھر والوں میں سے کسی سے پیار نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا کو کسی سے پیار نہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ خالق ہونے کے لحاظ سے جو خدا کا ہر ایک سے رابطہ ہے وہ جدا ہے۔ وہ ہر ایک کو رزق تو دیتا ہے مگر جہاں تک محبت کرنے کی بات نظر آتی ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی سے محبت نہیں ہے۔ ہاں جہاں اس نے اپنا نام دیکھا وہیں محبت کے دریا بہا دیئے (سبحان اللہ) جہاں اپنا نام پایا وہیں محبت کا دریا بہا دیا۔ تو پھر معلوم ہوا کہ جو ربّ کو زیادہ یاد کرے گا خُداوند تعالیٰ اس کو زیادہ ہی پیار دیتا ہے۔

جس کو جس سے محبت ہو تو وہ اس کا ہی ذکر کرتا ہے

حدیث شریف میں ہے کہ

جس کو جس سے زیادہ پیار ہو وہ اس کا اتنا ہی زیادہ ذکر کرتا رہتا ہے جب تک پیار نہ ہو تو اس وقت تک ذکر ہوتا ہی نہیں۔ گویا جو ذکر کرتے ہیں تو ان کو اللہ سے پیار ہوتا ہے۔ پیار کا اس وقت تک پتہ نہیں

چلتا جب تک ہجر نہ ہو۔ جب تک پیار ہے تو ہجر کا احساس بھی ہو گا۔ اس ہجر کو ختم کرنے کے لئے یا جدائی کی تلخیوں کو مٹانے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جس کو یار سے محبت اور لگن ہے تو وہ ہر وقت ہر ایک سے اپنے محبوب کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ جس کو ایسا پیار ہو گا وہ ہر وقت اپنے یار کی بات کرے گا تو پھر اس کے دل میں کینہ، بغض، حسد، تکبر، غیریت کیسے رہ جائے گی۔ تکبر تو جب ہو اگر بندہ اپنے آپ کو دیکھے۔ معلوم ہوا کہ جو برتن محبت سے لبریز ہے۔ وہ برائیوں سے خالی ہو گا۔

محبت زیادہ ہو تو ذکر بھی تیز ہو جاتا ہے

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اسی کا ذکر کرتا ہے۔ جب تک پیار نہ ہو تو اس وقت تک ذکر ہوتا ہی نہیں۔ جب پیار زیادہ ہو گیا تو ذکر بھی زیادہ ہو جائے گا۔ جس کو اپنے محبوب کی جستجو اور لگن ہو تو وہ ہر اک سے اس کا ذکر کرتا ہے۔ عورت ہو کہ مرد، بوڑھا ہو کہ جوان، امیر ہو کہ غریب، فقیر ہو کہ امیر، راہ گیر ہو کہ مقیم وہ ہر ایک سے اپنے یار کی بات کرے گا۔ جتنی محبت زیادہ ہو گی اتنا ہی زیادہ اپنے محبوب کا ذکر کرے گا۔ جوں جوں محبت بڑھتی جائے گی ذکر بھی بڑھتا جائے گا اور تیز ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ہر چیز میں اس کو اپنے ذکر کی آواز آئے گی۔ زمین سے آسمان تک ہر چیز سے وہ اپنے محبوب کا ذکر سنے گا۔

جب ذکر مکمل ہو جائے تو ذکر ختم ہو جاتا ہے

درج بالا بیان سے ثابت ہوا کہ جونہی محبت تیز ہوئی ذکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جب ذکر تیز ہو گیا تو پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ جس کا ذکر کیا جاتا ہے اس کے اور ذاکر کے درمیان پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ سامنے آ جاتا ہے۔ عام فہم بات یہ ہے کہ جب مذکور سامنے آ جائے تو مذکور کا ذکر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جب ذاکر اور مذکور آمنے سامنے آ گئے تو پھر ذکر کہاں رہا۔ پھر تو مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے۔ ذاکر تو مذکور کے جلووں میں ہی گم ہو جائے گا بولے گا کیا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک پیاسا ہمیشہ کہتا ہے پانی! پانی! پانی! لیکن جب اس کو پانی کے حوض میں پھینک دیا جائے تو کیا وہ پانی مانگے گا۔ جب پانی اس کے سر سے اوپر نکل گیا تو اس کی اپنی کہانی ہی ختم ہو جائے گی۔ وہ پانی کیسے مانگے گا۔ جب حریم حق کے دروازے کھل گئے تو عرش اور عابد کے درمیان کوئی پردہ نہ رہا اور ذاکر اللہ کے جلووں میں گم ہو گیا تو ذکر کہاں رہ گیا۔ "اللہ، اللہ، اللہ ھُو اور ھُو حق" کا کہنا یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو اللہ کا خوب ذکر کیا کرو۔

ذکر کب کثیر ہوتا ہے

ذکرِ کثیر کی حد کیا ہے اور یہ کب کثیر ہوتا ہے۔ دو موٹی باتیں ہیں۔ جب تک اپنی مرضی سے ذکر کرتے رہو گے ذکر قلیل ہے۔ جب تک آپ ذکر خود بخود کرتے رہیں گے ذکر قلیل ہے۔ جب آپ ذکر کو چلاتے رہیں گے ذکر قلیل ہے اور جب ذکر خود تمہیں چلاتا ہے وہ ذکر کثیر ہے۔ (سبحان اللہ) ارادے سے ذکر کرو تو ذکر قلیل ہے۔ اپنی مرضی سے جب تک کرتے رہو گے تو ذکر قلیل ہو گا۔ اپنے ادراک سے جب تک ذکر کرو گے ذکر قلیل ہے۔ وقت تقسیم کر کے جب تک ذکر کرو گے ذکر قلیل ہے۔ صبح شام، رات دن کے اوقات کی تقسیم کر کے ذکر کرو گے کہ اتنا صبح، اتنا شام، اتنا رات کو، اتنا دن کو، اتنا سفر میں، اتنا گھر میں، اتنا اندر، اتنا باہر، یہ جتنا ذکر کرو گرو، یہ سب ذکر قلیل ہے۔ لیکن جب تعین ختم ہو جائے، تیرا ارادہ ختم ہو جائے۔ ادراک ختم ہو جائے، تیرا مزاج اس پر حاوی نہ ہو تو ذکر تجھ پر حاوی ہو جائے گا۔ تمہارا ایسا ذکر، ذکر کثیر ہو جائے گا۔ (سبحان اللہ) ذکر آپ پر جب حاوی ہو گا تو نفس مطمئن ہو گا، دل ذاکر ہو گا، روح بیدار ہو گی، تن من ذکر کریں گے، ظاہر باطن ذکر کریں گے۔ جو چیز دیکھو گے اللہ کے ذکر میں مسرور پاؤ گے۔ ہر شے جو دیکھو گے تو یہ کہو گے کہ میں تو کوئی چیز دیکھتا ہی نہیں۔ جس چیز کو دیکھتا ہوں اس میں اپنا ہی محبوب دیکھتا ہوں۔ کوئی شے نظر ہی نہیں آتی۔ نظر آئے تو اس میں اس کا جلوہ دیکھتا ہوں۔

در و دیوار آئینہ شُد از کثرت شوق
ہر کجا کہ می نگرم، روئے ترا می بینم

(کثرتِ شوق سے در و دیوار آئینہ کی صورت بن گئے ہیں۔ جہاں بھی دیکھتا ہوں آپ ہی کا چہرہ دیکھتا ہوں)

دل میں یار کی آمد کا سامان کر لو

عشق کی مستیوں اور محبت کی جولانیوں نے کائنات کو شیشہ بنا دیا ہے۔ جدھر ظر کرتا ہوں مجھے اپنا ہی محبوب نظر آتا ہے۔ یہ ہے غلبۂ ذکر دوستو! آپ اندازہ لگائیں کہ جس سے آپ کو محبت ہو جائے مجلس میں، گھر میں، سفر میں، حضر میں، اسی کا تصوّر، اسی کی تصویر، اسی کا ذکر، اسی کا چرچا، اسی کا خیال، اسی کا حال، اس کا بیان ہوتا رہتا ہے۔ یہ تو ہے فانی اور مجاز کا اثر اور جب روح و دل اور دماغ پر حقیقت غالب ہو جائے تو پھر کیا حال ہو گا؟ چنانچہ دوستو! ذکر کثیر یہ ہے کہ دل کسی وقت بھی اللہ

کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے۔ ایسی حالت میں ذکر کامل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ذاکر مذکور سے جدا نہیں ہوتا اور مذکور ذاکر سے جدا نہیں رہتا۔ یہ سارا سلسلہ ہے محبت کا۔ یہ سودا جہاں جہاں بھی ملے حاصل کر لو۔ بزم ذکر قائم رکھو۔ محفلِ ذکر سجاؤ۔ یہ ذکر کی محافل دراصل محبوب کو اپنے گھر بلانے کی دعوت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یار بچھڑ نہ جائے۔ تم اپنے یار کو خط لکھتے ہو کہ اے یار میں تمہاری جدائی میں تڑپ گیا ہوں۔ فرصت ہو تو کبھی آؤ۔ پریشان ہوں اگر کسی موقع سے تیرا گزر اس راستے ہو تو ذرا میرے صحن سے بھی ہوتے جانا۔ اے میرے یار بچھڑے ہوئے مدت ہو گئی۔ فرقت نے جلا ڈالا۔ تیری یادوں نے ستا رکھا ہے۔ موقع یا فرصت پاؤ تو کبھی تو ادھر آؤ۔ محبّ محبوب کو ایسے ہی خط لکھتے ہیں۔ تو اللہ نے بھی بندوں کو خط لکھنے کا طریقہ بتایا ہے کہ مجھے اگر بلانا ہی ہے تو میرا ذکر شروع کر دو۔ جب میرا ذکر شروع ہو گا۔ تو میں سمجھوں گا کہ دعوت آ رہی ہے اور جو دعوت دے گا میں اس کی دعوت کر دیکھوں گا کہ کس انداز سے بلا رہا ہے۔ (سبحان اللہ) اگر دعوت نامہ ٹھیک ہوا تو پھر ہم آ ہی جائیں گے۔ پھر ہم تمہیں تڑپائیں گے نہیں۔

جس نے چاہتوں سے یاد کیا، ہم محبتوں کی سوغات لے کر آئیں گے۔ تم ہی اپنی تنہائی میں پریشان نہیں ہو۔ میں بھی تیری یاد میں رہتا ہوں تم تنہا ہی ذاکر نہیں ہو، میں بھی تیر ذاکر ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ پنجاب کے گورنر عبدالرب نشتر، بڑے باذوق انسان تھے۔ آپ نے ایک بڑی خوبصورت بات کہی ہے۔ موقع کی مناسبت سے آپ بھی سماعت فرمائیں ؎

گھر میں تمہارے وہ صنم آئے کہ نہ آئے نشتر
تم مگر آمدِ دلدار کا ساماں تو کرو

بس سیدھی سی بات ہے دوستو! یار کی آمد کا وقت ہو تو لوگ گلیاں صاف کرتے ہیں۔ چھڑکاؤ کرتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ سجاوٹ ہوتی ہے، اس لئے کہ محبوب کی آمد کا وقت ہے۔ میں بھی آپ کو یہ کہہ دوں کہ اس کی آمد کا جب وقت نزدیک ہو تو پھر دل میں آنسوؤں سے تھوڑا سا چھڑکاؤ کر لو۔ دل کا دروازہ کھول کر اس کی آمد کا انتظار کرو تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔

مراقبہ کسے کہتے ہیں

حضرت باقی باللہ رحمت اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا "حضور مراقبہ کسے کہتے ہیں" آپ نے جواب میں ایک آسان طریقہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا "محبوب کی آمد کے وقت سراپا انتظار میں رہنا ہی مراقبہ ہے" پوچھا گیا کہ آپ کو یہ طریقہ کیسے ملا۔ آپ نے فرمایا میں نے ایک مرتبہ بلّی کو شکار کرتے ہوئے دیکھا تھا کہ جب بلّی شکار کے لئے تیار ہو جائے تو پھر وہ اپنے دو پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور دو کو اٹھا لیتی ہے اور سانس روک لیتی ہے۔ وزن برابر کر لیتی ہے۔ نہ سانس کو حرکت دے، نہ مزاج میں جنبش

آئے۔ نگاہ ایک مرکز پر رہتی ہے۔ جونہی شکار اس کی نظر میں آئے چشم زدن میں جھپٹ کر پکڑ لیتی ہے۔ تو میں نے اپنے آپ کو کہا کہ یہ دو عالم سے بے نیاز ہو کر، دو پاؤں پر وزن رکھ کر، سانس روک کر، اپنے شکار کے لئے اتنی منہمک ہو جاتی ہے کہ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہو گئی۔ لہٰذا مجھے معلوم ہوا کہ دو عالم سے بے نیاز ہو کر اسی کا ہو کر رہنے کا نام انتظار ہے۔ (سبحان اللہ) تو لہٰذا میں نے بھی مراقبہ سیکھ لیا۔ مراقبہ کرنا ہو تو آنکھ بند کرو، کیوں کہ یہ ایک ایسا دروازہ ہے کہ ہر شے اس میں سے اندر چلی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا دروازہ ہے کہ جو شے دیکھتے جاؤ، اندر داخل ہو جاتی ہے پھر جو چیز اندر جائے گی مزاج بدلے گا۔ جیسی شے نظر آئے گی خیال اس کے ساتھ ہو جائے گا۔

دل کے اس دروازے کو بند ہی کرو کہ کوئی شے اندر ہی نہ آئے۔ آپ سمجھ گئے؟ بند کرو اس دروازے کو کہ کوئی شے باہر کی اندر نہ آئے۔ (سبحان اللہ) روک لو سانس اپنا۔ قابو کر لو مزاج اپنا۔ اب یار کی آمد کا وقت ہے۔ دروازے پر نظر رکھو۔ کب کھلتا ہے کہ وہ اندر آجائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آمد کا وقت ہو اور مجھے غافل پا کر واپس چلا جائے۔ بہتر ہے کہ مراقبہ میں رہو۔ چنانچہ صوفیا مراقبہ ایسے ہی وقتوں پر کرتے ہیں کہ کوئی آواز دینے والا بھی نہ ہو۔ پچھلے پہر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تیری آمد کا وقت ہے۔

اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی
ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

کیا آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ گلاب کی کلی کھل کر کس وقت پھول بنتی ہے؟ میں دعوے کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آج تک آپ نے اپنے صحنِ چمن میں، صحنِ مکان میں کتنے پودے گلاب کے لگائے ہوں گے مگر کلی کو پھول بنتے نہ دیکھا ہو گا۔ یا کلی دیکھی، یا پھول دیکھا۔ رات کو کلی تھی۔ صبح اٹھے تو پھول تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص وقت ہے جب بادِ نسیم کے باریک لطیف جھونکے چلتے ہیں تو جس جس کلی میں پھول بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ بادِ نسیم اس کو پھول بنا کر گزر جاتی ہے۔ (سبحان اللہ)۔

اسی طرح سحر کے وقت گنبدِ خضراء سے ایک ہوا چلتی ہے۔ کرم کی ہوا چلتی ہے۔ عنایت کی ہوا چلتی ہے۔ نورِ نبوت کی بہاروں میں سے ایک جھونکا چلتا ہے۔ جس کا سحری کے وقت گزر ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کی کلی کو سجا کر رکھتے ہیں وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کدھر سے وہ ہوا آتی ہے اور دل کو عرش الٰہی بنا دیتی ہے۔ بیدار رہو۔ بیدار رہو۔ بیدار۔ آنکھیں کھولنے کا نام بیداری نہیں ہے۔ دل کو سوئے محبوب قائم رکھنے کا نام بیداری ہے۔

بیدار رہو، بیدار اور یہی ذکر کا مدعا بھی ہے کہ تم بیدار ہو جاؤ۔ کیوں کہ سوئے ہوئے کو ماں بھی اپنے سینے کے ساتھ نہیں لگاتی تو غافل کو خداوند کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اپنے دامن میں جگہ دیں گے۔ (سبحان اللہ)۔

یاد رکھو کہ بچہ جب سو جائے تو ماں اٹھا کر دور رکھ دیتی ہے۔ رونے لگے تو اٹھا کر

سینے سے لگالیتی ہے۔ اے ہجر میں بچھڑے ہوئے لوگو! رونا شروع کر دو کہ رحمت حق سینے سے لگالے۔ بیداری اچھی ہے غفلت اچھی نہیں ہے۔ آخری بات یہی ہے کہ "فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ" تم اس کے ہو جاؤ تاکہ وہ تمہارا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے ذکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

طریقہ ذکر خفی (مراقبہ)

(اقتباس از "اسلام اور روحانیت" مصنّفہ عبداللطیف خان ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات لاہور)۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ تجھ پر لازم ہے، کہ قبلۂ توجہ کو ہر طرف سے ہٹا کر کُلّیتہً اس سلسلہ عالیہ کے بلند مرتبہ اکابرین کی طرف کرے اور ان کے باطن سے ہمت اور توجہ طلب کرے۔ ابتدا میں ذکر کرنے سے چارہ نہیں (یعنی پہلے کچھ دیر ذکر نفی اثبات، یااللہ ہُو، کا ذکر کرے) چاہیئے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو کیونکہ دل کے گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لئے حجرے اور گھر کی مانند ہے اور اسمِ مبارک (اللہ) کو اس قلب پر گزارے اور اس وقت قصداً کسی عضو کو بھی حرکت نہ دے۔ کُلّیتہً قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے اور خیال میں بھی قلب صنوبری کو ہرگز جگہ نہ دے۔ اس کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصوّر اور لفظ مبارک اللہ کے معنی کو بے مثال اور بے کیف ملاحظہ کرے (یعنی اللہ کو کسی مثال یا مثل کی شکل میں دل میں نہ لائے) اور کسی صفت کو بھی اس کے ساتھ نہ ملائے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کو بھی لحاظ و خیال میں نہ لائے تاکہ حضرتِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس (پاکی) کی بلندی سے صفات کی پستی کی طرف نہ آئے اور اس سے شہود و وحدت و کثرت میں نہ پڑے اور بے کیف ذات کی گرفتاری سے چون اور کیف والی شے کے ساتھ آرام نہ پکڑے کیونکہ جو چون اور کیفیت (شکل و صورت) رکھنے والی شے میں نمایاں ہو گا وہ بے کیف یعنی اللہ نہیں ہو سکتا اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہوتا ہے واحد حقیقی نہیں ہو سکتا۔ بے چون ذات کو چون کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہیئے۔ بسیط حقیقی کو احاطۂ کثرت سے باہر طلب کرنا چاہیئے۔

اور اگر بوقتِ ذکرِ الٰہی پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے اور دل میں بیٹھا کر ذکر کرے۔ تم جانتے ہو پیر کیسی ہستی ہے؟ پیر وہ ذات ہے کہ جنابِ قدس خداوندی جل شانہ تک پہنچنے کے راستے میں تم اس سے استفادہ کرتے ہو اور اس سے اس راہ میں طرح طرح کی مدد اور اعانت حاصل کرتے ہو۔ خالی کُلاہ اور چادر اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور عادات اور رسوم میں داخل ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ شیخِ کامل کا کرتا بطور تبرّک

اپنے پاس رکھے اور اس کے ساتھ اعتقاد و اخلاص سے زندگی گزارے۔ شیخ کے کرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات و نتائج کا قوی احتمال ہے۔ شیخ علاؤالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں قطرۂ خوں از دل چکد ۔ تا نشانِ قطرہ از آں یافتم

(دل سے لاکھوں قطرہ ہائے خون نکلنے کے بعد ایک قطرہ بھر آگاہی کا نشاں نصیب ہوتا ہے)۔

مراۃ الاسرار میں ہے کہ ایک سانس میں ۹ سے ۱۸ دفعہ تک لفظ "اللہ" کہے۔ یہ مراقبہ خلوت میں ہو۔ اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو مشائخ کی ارواح سے استفادہ کرے۔ فائدہ اس قدر ہو گا جس قدر شیخ سے نسبت قوی ہوگی۔ اس کام میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیۓ۔ اس بزرگ کی روح کو وسیلہ سمجھنا چاہیۓ۔ بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا ہونا دراصل اللہ کے ساتھ عقیدت ہے۔ جس طرح تواضع تو لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے مگر حقیقتاً حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان معنوں میں پیروں کو بظاہر آثارِ قدرت اور غنیمت سمجھنا چاہیۓ۔ مراقبے کا طریقہ نفی اثبات کے طریقے سے زیادہ موثر ہے اور جذب پیدا کرنے میں اکثیر ہے۔ مراقبہ کی بدولت عالم میں تصرّف ہو سکتا ہے۔ قلب کو منور اور انوار و برکات حاصل کرنے کا بہترین طریقہ دوامِ مراقبہ ہے۔ اس سے جمعیّت خاطر اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اس مقام کو جمع و قبول کہتے ہیں۔

کچھ لوگ ہمہ اوست کے اعتبار سے ایک خدا کو وحدت کی صورت میں جانتے ہیں اور تمام مخلوقات کو اسی ایک خدا کی کثرت کی صورت میں ہونا کہہ دیتے ہیں۔ خدا کا تصوّر اس قسم کی وحدت اور کثرت کی مختلف صورتوں میں نہیں رکھنا چاہیۓ، بلکہ بے کیف، بے چون، (یعنی بے مثل) ہی ماننا چاہیۓ اور اس کو تمام صفات سے بالا خیال کرنا چاہیۓ۔

تقدیروں کے بدلنے کا طریقہ

طریقہ معلوم ہو تو تقدیر بدل جاتی ہے

تقدیروں کے بدلنے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اپنی کشتیٔ حیات کو کسی ماہر کشتی بان کے سپرد کر دیا جائے۔ یعنی خود کو کسی کامل شیخ کے سپرد کر دے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

کوئی انداز کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کہتے ہیں کہ علاّمہ اقبالؒ کے پاس ایک دہریہ آیا اور خدا کی ذات کے انکار میں تین دن تک بحث کرتا رہا۔ آخر علاّمہؒ نے فرمایا کہ چلو آج میں تمہیں کسی مرد قلندر کے پاس لے جاتا ہوں۔ شاید وہ تمہاری تقدیر بدل دے۔ چنانچہ وہ اس دہرے کو میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی بارگاہ میں لے گئے۔ جونہی وہ دہریّہ حضرت میاں صاحبؒ کے دربار میں پہنچا تو میاں صاحب نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا "کیوں بھئی بیلیا رب ہے کہ نہیں" یہ سنتے ہی اس دہریے نے بغیر کسی کلام کے تسلیم کر لیا کہ واقعی ایک خدا موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ درج بالا شعر علاّمہ اقبالؒ نے اسی موقع کی مناسبت سے لکھا تھا۔ حضرت میاں محمد بخش صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

درجِ بالا دونوں اشعار بالکل درست ہیں لیکن اس کے لئے مرید کو اپنے شیخ پر اعتقاد کا ہونا ضروری ہے۔ جو مرید اپنے آپ کو مکمل طور پر پیر کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ہر مراد کو پوری کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ شیخ کی محبت اور تابعداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تابعداری کے مترادف ہے اور دونوں کی تابعداری میں خدا کی رضا محصور ہے۔

کسی شیخ کی صحبت میں آنے کے بعد مرید کا طرزِ عبادت، اخلاق، روحانی کیفیات اور مکمل طرزِ زندگی ہی بدل جاتا ہے۔ طریقت، زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس سے بندہ واصل بحق ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام دکھ درد کافور ہو جاتے ہیں۔ مرشد کامل ہر مرید کی مشکلات پر نظر رکھتا

ہے اور اس کی تمام مشکلات کا ایسا حل تجویز کرتا ہے کہ جس سے اس کی زندگی میں دنیاوی پریشانیاں غائب ہو جائیں۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ اگر کوئی مرشد کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرے تو حقیقتاً تمام مصائب کا حل سامنے آجاتا ہے، گویا اگر مرید کو معلوم ہو کہ مصائب کا حل اس کے شیخ کی توجہ میں ہے تو اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرمایا۔

ع ایک لمحہ میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مکلّف ابھی ناخوش ابھی خورسند

تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب "مسئلہ تقدیر" جو عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے، کا مطالعہ فرمائیں۔

تقدیر بدلنے کا ایک اور طریقہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو مکمل کرنے کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ جو بلا تمیز مومن و کافر ہر ایک کے لئے یکساں ہے۔ وہ مقرر کردہ طریقہ عالم اسباب کا مہیا کرنا اور اپنے حقوق کا ادا کرنا ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو شخص کسی کام کی تکمیل کے لئے اسباب پیدا کرے تو عموماً وہ کام ہو جاتا ہے۔ فقراء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا تعلق خدا کے ساتھ استوار ہو جاتا ہے اور دنیاوی امور میں بھی ان کی نظر اسباب سے اٹھ کر مسبّب الاسباب پر آٹھہرتی ہے اور وہ اسباب کی پابندی سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً کسی بزرگ کا بغیر کشتی کے دریا کو پار کر جانا یا بغیر کسی سواری کے کسی جگہ پہنچ جانا، یا ایسی چیزوں کا حاضر ہو جانا جس کے لئے بظاہر کوئی ایسے اسباب موجود نہ ہوں یہ سب باتیں اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ عام انسانوں کے لئے اسباب کے مہیا کرنے کے بغیر کسی کام کا پورا کرنا ممکن نہیں۔

اس زمانے کے مسلمانوں میں جو ایک نہائت مایوس کن بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر کام کو بغیر اسباب کے مہیا کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں عاملوں اور پیروں کے پاس جا کر ایسے تعویذات طلب کرتے ہیں جس سے ان کا مقصود حاصل ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ آج کے بیشتر مسلمان بغیر اسباب مہیا کئے اور بغیر عمل کی تکلیف اٹھانے کے یہ چاہتے ہیں کہ ان کا کام فوراً ہو جائے۔ مسلمانوں کی یہی عادت ان کی تباہی کا باعث بنی اور اگر ان کا کام نہ ہو تو ایسے مسلمان اپنی تقدیر اور پیروں کو کوسنے لگتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی فلاں کام کو اس طرح کر دے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب میں یہ کہا گیا کہ خبردار آئندہ ہماری سنت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہماری سنت یہ ہے کہ اسباب کے بغیر کوئی چیز ہم سے طلب نہ کی جائے۔ چنانچہ اس بات سے اس قانون الٰہی کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر اسباب کی سند موجود ہو تو کافر بھی

چاند پر پہنچ سکتے ہیں۔ سورہ الرحمٰن میں ہے لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَٰنٍ۔ یعنی جنوں اور انسانوں کو اس آیت میں فرمایا کہ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم چاہو کہ زمینوں اور آسمانوں کے قطروں سے باہر نکل جاؤ تو ایسا نہ کر سکو گے مگر کسی سند کے ساتھ۔ یہاں سند سے مراد اسباب کا مہیا کرنا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے تقدیر کے مسئلے کو نہایت خوبی کے ساتھ سلجھایا ہے۔ (راقم الحروف کی کتاب مسئلہ تقدیر بھی ملاحظہ فرمائیں) آپ کا فرمان ہے کہ انسان اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیشانی کو اس لئے خالی رکھا ہے کہ اس پر اپنی تقدیر کا فیصلہ خود لکھ دے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ایک لمحہ میں سوبار بدل جاتی ہے تقدیر" علامہؒ کے درج ذیل شعر میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تقدیر کو بدلنا چاہتے ہو تو خود کو بدلو۔ یعنی اپنے رویئے اور طریقے کو بدلو جب یہ بدل جائے تو تمہاری تقدیر بھی بدل جائے گی۔ ؎

ع ترى دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
ع ترى دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
میری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اسباب کے ساتھ دعاؤں کا لشکر

زندہ قوموں کی یہی علامت ہے کہ کسی کام کی تکمیل کے لئے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ البتہ اسباب مہیا کرنے کے بعد دعا بھی اثر کرتی ہے۔ اسباب کا لشکر مہیا کرنے کے بعد دعاؤں کا لشکر کام کرتا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شہنشاہ جہانگیر کے نام ایک مکتوب میں یہ تحریر فرمایا کہ فوجوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ دعاؤں کے لشکر کا موجود ہونا بہت ضروری امر ہے۔ احادیث میں ہے کہ ایسی دعا قضا کو بدل دیتی ہے اور اس کے علاوہ نیک اعمال اور صدقات بھی تقدیر کو بدلنے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ عمل اور اسباب کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور قسمت کو سنوارنے کے لئے مذکورہ بالا تجاویز سے کام لے، یعنی اسباب کو مہیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ عبادت کو بھی قائم رکھیں۔

ختمِ خواجگاں سے رفع مشکلات

خواجگانِ نقشبندؒ نے اپنے مریدین کی مشکلات کے رفع کرنے کا ایک طریقہ رائج فرمایا ہے کہ جو کوئی نیچے دیئے گئے ختمِ خواجگان کو جمعۃ المبارک کے دن بعد از نماز عصر (لیکن مغرب سے تقریباً ۲۰ منٹ پہلے) اس ختم شریف کو پڑھ کر دعا کرے تو اس کی مراد پوری ہو جائے گی۔ اگر ایک جمعۃ المبارک کے دن پڑھنے سے کام درست نہ ہو تو دوسرے حتیٰ کہ تیسرے جمعہ کے روز تک بھی

پڑھے تو انشاء اللہ کام ضرور ہو جائے گا۔ راقم الحروف اپنی مجالس میں ہر جمعۃ المبارک میں اس ختم شریف کو لوگوں کی افادیت کے لئے کئی سالوں سے پڑھواتا ہے تو اکثر لوگوں کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ اپنی ابتدائی زندگی میں شاہی جلّاد تھے۔ آپ کو ایک شخص کے قتل کا حکم ملا تو آپ نے دیکھا کہ اس شخص کے قتل کے لئے تلوار کام نہیں کرتی۔ آپ نے یہ بھی نوٹ کیا کہ اس شخص کو جب تلوار ماری جاتی تھی تو وہ اپنے منہ میں کچھ پڑھتا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیا پڑھتے تھے؟ اس نے کہا کہ میں اپنے پیر کا نام اپنی زبان سے ادا کرتا رہا اور ہربار بچتا رہا۔ پوچھا تمہارا پیر کون ہے؟ اس نے کہا حضرت سیّد امیر کلالؒ ہیں۔ آپ نے وہ تلوار وہیں پھینکی اور یہ کہہ کر سید صاحب کے پاس بیعت کرنے کے لئے چلے گئے کہ جس کا نام لینے سے انسان قتل ہونے سے بچ سکتا ہے تو ان کے فیض لینے کے بعد انسان جہنم کی آگ سے کیوں نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ خواجگانِ نقشبند اگر توجہ فرمائیں تو آج بھی لوگوں کو اللہ کے حکم سے ان کو مصائب سے نجات دلواتے ہیں۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ ان بزرگوں کی ارواح حاضر ہو جاتی ہیں اور اپنے متعلقین کے کام کے لئے مداوا فرماتی ہیں۔ (دیکھئے مکتوب نمبر ۵۸ حصہ ہفتم دفتر دوم)

ختمِ خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصرو قبل از مغرب پڑھیں

۱۔ بسم اللہ شریف ۱۰۰ بار
۲۔ درود شریف ،،
۳۔ الحمد شریف ،،
۴۔ سورۂ الم نشرح ۷۹ بار
۵۔ سورہ اخلاص ۱۰۰۰ بار
۶۔ الحمد شریف ۷ بار
۷۔ درود شریف ۱۰۰ بار

۱۔ یَا قَاضِیَ الحَاجَاتِ ۱۰۰ بار
۲۔ یَا شَافِیَ الْاَمْرَاضِ ۱۰۰ بار
۳۔ یَا کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ ۱۰۰ بار
۴۔ یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ ۱۰۰ بار
۵۔ یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ ۱۰۰ بار
۶۔ یَا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ ۱۰۰ بار
۷۔ یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ ۱۰۰ بار
۸۔ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ ۱۰۰ بار
۹۔ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ ۱۰۰ بار
۱۰۔ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ ۱۰۰ بار
۱۱۔ یَا مُنَزِّلَ الْبَرَکَاتِ ۱۰۰ بار
۱۲۔ یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ ۱۰۰ بار
۱۳۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۱۰۰ بار

ایصالِ ثواب برائے خواجگانِ نقشبند

مذکورہ بالا ختم شریف پڑھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توصل سے حسبِ ذیل بزرگوں کی روح کو ایصال ثواب کرے اور پھر دعا کرے۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ
۳۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ
۴۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ
۵۔ خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ
۶۔ خواجہ عارف ریوکری رحمتہ اللہ علیہ
۷۔ خواجہ بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ
۸۔ خواجہ سید امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ
۹۔ پیران پیر خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ
۱۰۔ خواجہ ابو منصور ماتریدی رحمتہ اللہ علیہ

بزرگوں کی زندگیاں اتّباع کے قابل ہیں

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اتّباع صرف تبعہ تابعین تک فائز ہے۔ اگر ہم طریقت کے راہنماؤں کی طرف نظر دوڑا کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ان کی کامیاب زندگیوں کی کڑیاں اوج ثریا تک پہنچ چکی تھیں۔ ان سب کا یہی قول ہے کہ بغیر بیعت کے زندگی کو گزارنا ایسے ہے جیسے کوئی بے مقصد سفر پر چلا جا رہا ہو۔ اگرچہ کسی کے پاس ڈھیروں مال بھی میسر ہو جائے تو بھی اس کی بے دین زندگی قطعاً بے سود ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہم سے پہلے جو جلیل القدر اولیائے کرام گزر چکے ہیں (بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاؒ، بہاؤ الدین نقشبندؒ ابوالحسن خرقانیؒ، داتا گنج بخشؒ وغیرہ) تو انہوں نے اپنی کتب تصوّف میں کیسی زندگی بسر کرنے کا سبق دیا ہے۔ ان کی روش کس قدر درست اور عین شریعت کے مطابق تھی، دین و دنیا کے متعلق وہ کیا نظریّہ رکھتے تھے؟ کیا وہ دین کو سمجھنے کے لئے بہترین فقہا میں سے نہ تھے؟۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے نام آج تک کیوں زندہ ہیں۔ ہمیں ان کے نقشِ قدم کو معیار زندگی کیوں نہیں بنانا چاہیئے۔؟

زندگی تو جانوروں کی طرح بھی گزر سکتی ہے۔ جس میں سوائے خورد و نوش اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی بے دین زندگی سے بچنا چاہئے اور ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی ان جانوروں کی طرح شمار کیا جائے۔ دیکھنا چاہئے کہ طرزِ زندگی کس نہج سے گزارنا خدا کی رضا کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرامؒ کی زندگیوں کو ہمارے لئے نعمت سے کم نہیں بنایا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ" اگر اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کا اشارہ صرف صحابہ کرام سے لے کر تبعہ تابعین تک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد اسلام میں اب ہدایت

کا راستہ ختم ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آج بھی جو لوگ اللہ کے انعامات سے ممتاز ہیں ان کی راہ پر چلنا بھی درست ہے تو پھر چند بکے ہوئے خود ساختہ مولویوں کے کہنے پر بزرگوں کے طرز زندگی کو کیوں نظر انداز کرتے ہو اور ان اولیائے کرامؒ کے وسیلے سے ملنے والی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو کیوں ٹھکراتے ہو؟ جب اولیائے کرام اللہ کی ہدایت کے حامل ہیں تو ان مشائخ کا انکار کیوں کرتے ہو اور بیعت سے کیوں انحراف کرتے ہو جب کہ بیعت کرنا آج تک ان کا طریقہ رہا ہے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ لوگ اندھوں سے کیوں توقع رکھتے ہیں کہ تمہاری طرح وہ بھی مناظر حسن کو دیکھ کر ان کی تعریف کریں۔ مثنوی میں مولانا فرماتے ہیں۔

ع گر بگویم کور چشمے را بہ بیں
کے بہ بیند کور چشمے بے بہ یقیں

(اگر ہم اندھے کو کہیں کہ ذرا دیکھنا تو وہ بے یقینی کا مارا اندھا کیسے دیکھ سکتا ہے)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اہل خرد جو محبت و عشق سے بیگانہ ہوں وہ بھی ہمیشہ تذبذب کی حالت میں رہتے ہیں اور کسی منزل پر پہنچنا ان کی فطرت میں نہیں ہے، جس طرح افلاطون اپنے فلسفیانہ علم کے باعث خود کو ہدایت یافتہ سمجھتا تھا اور اس نے اپنے وقت کے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ابدی نقصان سے داغدار ہوا۔

تڑپ رہا ہے فلاطون میانِ غیب و حضور
ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف

دل کی اصلاح کے لئے مولانا روم رح کا نسخہ

(مولانا کے چند خوبصورت اشعار کا مجموعہ)

(یہ باب راقم الحروف کی کتاب "حضورِ قلب" سے عوام کے استفادہ کے لئے من و عن شامل کیا جارہا ہے)

دل کی اصلاح کے لئے
کسی صاحبِ دل کی تلاش کرو

مولانا روم رح کا شمار ان بڑے بڑے علماء میں سے ہوتا ہے جو جیّد عالم بھی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ روحانی دنیا میں بھی بہت بلند مقام رکھتے ہوں۔ علامہ اقبال رح نے اپنے کلام میں ان کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ مثنوی مولانا روم رح روحانیت کے موضوع پر بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کی مثنوی قرآن اور حدیث کے اسباق کو شعروں کے لباس میں اپنے اندر اس طرح سموئے ہوئے ہے کہ کسی بھی مکتبۂ فکر کے صوفی کو آپ کے کلام پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہو سکتی بلکہ آپ کے اشعار کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

آپ نے مثنوی مولانا روم رح میں دو باتوں پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ ایک تو یہ کہ شریعت کی سختی سے اتباع کی جائے اور دوسرے یہ کہ کسی شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے جو سالک کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دے گا۔ بعض اوقات تو آپ یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ انسانوں کی تمام بیماریوں کا علاج ہی مرشد سے محبت رکھنے میں ہے۔ اس جگہ پر آپ کی مثنوی سے ماخوذ چند نہایت خوبصورت اور معروف ان اشعار کا مجموعہ پیش کیا جارہا ہے جو اکثر بڑے بڑے بزرگوں کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔ یہ مجموعہ اس لئے بھی پیش کیا جارہا ہے کہ پوری مثنوی سے ایسے اشعار کو ڈھونڈ نکالنا ہر شخص کے لئے آسان کام نہیں۔ ان اشعار کے معنی بھی لکھ دیئے گئے ہیں لہٰذا ان کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔ مولانا رح فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی ز راہ آگہہ کند
نور را بالفاظھا ہمرہ کند

(نورانی لوگ اللہ کی راہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے کلام کے الفاظ کے ساتھ نور بھی ہمراہ کر دیتے ہیں)

از حدیثِ شیخ جمعیت رسد
تفرقہ آرد دمِ اہل جسد
(شیخ کی بات سے سکون ملتا ہے۔ دنیا داروں کے کلام سے انتشار حاصل ہوتا ہے)

چونکہ دستِ خود بہ دستِ او دہی
پس ز دستِ آکلاں بیروں جہی
(جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے گا، پس تو گمراہوں کی دسترس سے نکل جائے گا)

راہبرِ راہ طریقت آں بود
کو با احکامِ شریعت می رود
(راہ طریقت کا راہبر وہ ہوتا ہے جو خود بھی احکامِ شریعت کی راہ پر چلتا ہے)

گر نباشد در عمل ثابت قدم
چو رہاند خلق را از دستِ غم
(اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہو، تو مخلوق کو غم سے کیسے رہائی دلا سکتا ہے)

دست زن در دامن ہر کو ولیست
خواہ از نسلِ عمرؓ خواہ از علیؓ ست
(جو بھی ولی اللہ ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو، خواہ وہ علیؓ کی نسل سے ہو یا عمرؓ کی)

گر تو گوئی نیست پیرے آشکار
تو طلب کن در ہزار اندر ہزار
(اگر تو کہتا ہے کہ کوئی پیر نظر نہیں آتا، تو لاکھوں کروڑوں میں اسے تلاش کر)

زانکہ گر پیرے نہ باشد درجہاں
نے زمیں بر جائے ماند نے مکاں
(کیونکہ دنیا میں اگر کوئی پیر نہیں رہتا۔ تو یہ زمین اور مکاں اپنی جگہ پر نہ رہتے)

دست گیرد بندۂ خاصِ الٰہ
طالباں را می برد تا پیش گاہ
(اللہ کے خاص بندے دستگیری کرتے ہیں، طالبانِ حق کو خدا کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں)

گر تو سنگِ خارہ و مر مر بوی
گر بہ صاحب دل رسی گوہر شوی
(اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو، تو اگر کسی صاحب دل کے پاس پہنچے تو ہیرا بن جائے گا)

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تلوار بنوانا چاہے تو وہ لوہار کے پاس جاتا ہے اور اگر کوئی حلوائی کا کام

سیکھنا چاہئے تو کسی حلوائی کی شاگردی کی جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی روحانی دنیا میں قدم رکھنا چاہے تو اسے کسی پیرِ کامل کے بغیر اس راستے کو طے کرنا ممکن نہیں۔ مولانا روم" فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک مولانا روم نہ بن سکا جب تک حضرت شمس تبریز" کی غلامی اختیار نہ کی ۔

ہیچ کس از نزدِ خود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجرے تیزے نہ شد

(کوئی شخص اپنے تئیں کوئی چیز نہیں بنتا ___ کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا)

ہیچ حلوائی نہ شد استادِ کار
تاکہ شاگردے شکر ریزے نشد

(کوئی حلوائی اپنے کام کا استاد نہیں ہوتا، جب تک کسی حلوائی کی شاگردی نہ کرے)

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزے" نہ شد

(مولانا بھی اس وقت تک مولانا روم نہ بنے، جب تک وہ شمس تبریز" کے غلام نہ بنے)

خدا کے ساتھ ہم نشینی چاہتے ہو تو اولیاء کے حضور میں آجاؤ

مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح اسرافیل علیہ السلام مردہ بدنوں کو زندہ کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح اولیائے کرام (اعمال کے اعتبار سے) مردہ انسانوں میں (کردار کی) روح پھونک سکتے ہیں۔ ان بزرگوں کے سینے میں خداوند قدوس کے جلوے موجود ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے لوگ باخدا بن جاتے ہیں ۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
اُو نشیند در حضورِ اولیاء

(جو بھی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے اس کو کہو کہ اولیاء کے حضور بیٹھا کرے)

ہیں کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاء
مردہ را زیشاں حیات است و نما

(یاد رکھو کہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں، مردہ لوگوں کو ان سے زندگی اور نمود ملتی ہے)

مسجدے کو اندرونِ اولیا ست
سجدہ گاہے جملہ است آنجا خدا ست

(وہ مسجد جو اولیاء کے اندر ہے، جملہ خلائق کی سجدہ گاہ ہے، وہاں خدا ہے)

اولیاء اللہ دلوں کے جاسوس ہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء کے پاس جا کر بیٹھو تو دلوں میں کوئی معیوب بات یا عقیدت میں فرق نہیں ہونا چاہئیے کیونکہ یہ دلوں کی باتوں کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ احادیث میں ان کا جواسیس قلوب ہونے کا ذکر شرح تعرّف میں ہے اور نورِ فراست سے ان کا دیکھنا حدیث سے ثابت ہے (اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ عز و جل) یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

چوں شوی دور از حضور اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خدا

(جب تو اولیاء کی حاضری سے دور ہو گیا تو حقیقتاً تو خدا سے بھی دور ہو گیا)

آنکہ واقف گشت بر اسرارِ ہُو
سرِّ مخلوقات چہ بود پیشِ اُو

(جو خدا کے اسرار سے واقف ہو گیا، تو مخلوق کے راز اس کے لئے کیا ہیں؟)

بندگانِ خاص عَلّامُ الغُیُوب
در جہانِ جاں جواسیسُ القُلُوب

(خدائے علّامُ الغُیوب کے خاص بندے، روح کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مولانا نے ان اولیائے کرام کی ضرورت سے زیادہ تعریف کر دی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خود پرورش کرتے ہیں اور فیضان خاص کے پیمانے زیرِ تربیت اولیاء کو پلاتے رہتے ہیں، جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی پرورش آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور پھر حکم دیا کہ فلاں شیخ سے جا کر بیعت کر لو تاکہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے۔ فرماتے ہیں کہ لوگ ان اولیاء کرام پر شکوک کا اظہار کرتے ہیں مگر وہ خود اپنی برائیوں پر نظر نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر تو مسجدوں کی سوداگری کرنے سے بھی عار نہیں کرتے۔

ما کلیسا دوست، ما مسجد فروش
او ز دست مصطفےؐ پیمانہ نوش

(ہم تو کلیسا دوست اور مسجد فروش ہیں، وہ تو حضورؐ کے ہاتھوں سے جام پیتے ہیں)

در جہانِ بے ثبات او راثبات
مرگِ او را از مقامات حیات

(اس جہانِ بے ثبات میں ان کو قرار حاصل ہے۔ ان کی موت بھی زندگی کے مقامات سے ایک مقام ہے)

قانونِ خداوندی ہے کہ دین نظر کے بغیر ادھورا رہتا ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر پیغمبر مبعوث فرمائے اور صرف کتابوں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کوئی ہادی ارسال نہ کریں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ولیوں کو تو ہر قوم کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے۔ (لکل قوم ہاد۔ آپ ہر قوم کے لئے ہادی ہیں۔ الرعد۔ ۷) علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر

(اے بے خبر! دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر۔ علم و حکمت تو کتابوں میں ہے مگر دین نظر سے ملتا ہے)

صحبت از علمِ کتابی خوشتراست
صحبتِ مردانِ حُر آدم گراست

(صحبت، کتابی علم سے بہتر ہے، آزاد بندوں کی صحبت آدم گری کرتی ہے)

در کنز و ہدیٰ نتواں یافت خدارا
در صفحۂ دل بیں کہ کتابِ بہ عظیم است

(کنز اور ہدیٰ میں خدا نہیں مل سکتا۔ اوراقِ دل میں دیکھو یہ بہت عظیم کتاب ہے)

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

علامہ اقبال، مولانا روم و دیگر اولیائے کرام نے اس موزوع پر بہت کلام لکھا ہے مگر یہ کتاب اس وسعت کی حامل نہیں ہے۔

طریقت میں تنہا چلنا خطا ہے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اندھا بغیر کسی راہنمائی کے گھر سے باہر نکل نہیں سکتا اور ایسا کرنا اس کے لئے خطرے کا باعث ہو گا۔ جو لوگ خود سری کے باعث راہِ طریقت کو تنہا طے کرنے لگتے ہیں اور اس صحرائے بے پایاں میں سفر کرتے ہیں تو وہ بھی ان اولیائے کرام کی ہمت کی وجہ سے راہ طے کر پاتے ہیں۔

دست او راحق چو دست خویش خواند
تا یداللہ فوق اَیْدِیْهِمْ براند

(خدا نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا ہے ـــــ اسی لئے "یداللہ" کی آیت نازل ہوئی ہے)

یار باید راہ را، تنہا مرو
وزسر خود اندریں صحرا مشو

(کسی راہ کے لئے ساتھی چاہیئے تنہا مت جاؤ ـــــ خود سری سے اس صحرا میں قدم نہ رکھو)

کور ہرگز کے تواند رفت راست
بے عصائش کور را رفتن خطاست

(اندھا خود بخود سیدھا کیسے چل سکتا ہے ـــــ عصا کے بغیر تو اس کا چلنا ہی خطا ہے)

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

(پیر کا ہاتھ غائب لوگوں کے لئے کوتاہ نہیں۔ اس کا ہاتھ اللہ کی قدرت کے بغیر نہیں)

ہر کہ تنہا نادریں راہ کہ برید
ہم بعونِ ہمتِ پیراں رسید

(جس کسی نے اس راہ کو تنہا طے کیا وہ بھی پیروں کی ہمت سے ہی پہنچا ہے)

اولیاء راہست قدرت ازالہ
تیرِ جستہ باز گردانند زراہ

(اولیاء کو اللہ کی طرف سے یہ قدرت ملتی ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لوٹا دیں)

اولیاء اللہ ہی خداوندانِ دل ہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ کہ کشتِ (کھیتی) انسان میں تخمِ دل کو کاشت کرنے کے لئے خداوندانِ دل (یعنی اولیاء اللہ) کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کھیت سے طرح طرح کی پیداوار حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ انسان کی قیمت اس وقت تک نہیں لگتی ہے جب تک وہ کسی اہلِ حال بزرگ کے دامن میں ہاتھ نہ ڈالے۔ فرماتے ہیں کہ بیعت سنت رسولؐ ہے۔ جس نے کسی پیر کی بیعت کی تو گویا اس نے رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ جو دیا کسی دیئے سے جلایا جاتا ہے تو اس دیئے میں سب سے پہلے دیئے کی روشنی ہی تصوّر کی جاتی ہے۔

می نہ روید تخمِ دل از آب و گل
بے نگاہے از خدا وندان دل

(دل کا تخم مٹی اور پانی میں نہیں اگتا اور نہ ہی خداوندانِ دل کی نگاہ کے بغیر)

اندریں عالم نیرزی باخسے

(تواس دنیا میں ایک تنکے کی سی قیمت بھی نہیں رکھتا، جب تک تو کسی کے دامن سے وابستگی نہ حاصل کرے)

چوں چراغِ نور شمعِ راکشید
ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید

(جب چراغ کے نور نے شمع کی روشنی کو کھینچ لیا، تو جس نے اس کو دیکھا گویا اصل شمع کو دیکھا)

ہم چنیں تاصد چراغ از نقل شد
دیدنِ آخر لقائے اصل شد

(اس طرح اگر سو چراغ بھی جلائے گئے ہوں، تو آخری چراغ کو دیکھنا، اصل شمع کو دیکھنا ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ جس نے کسی پیر کامل کی لمحہ بھر کے لئے صحبت حاصل کی تو اس کی یہ صحبت سو سالہ طاعت بے ریا سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی صحبت کے وصف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے اور صحبت کے باعث ساری دنیا کے عابدوں سے افضل قرار دیئے گئے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیائے کرام کی ایک گھڑی کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے)

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانبِ دلدار کن

(سو کتابیں اور سو اوراق آگ میں پھینک دو اور اپنے دل کا چہرہ اپنے محبوب کی طرف کر لو)

پیرِ کامل صورتِ ظلِّ علٰے
یعنی دیدِ پیرِ دیدِ کبریا

(پیر کامل خدا کا سایہ ہے۔ گویا پیر کا دیدار خدا کا دیدار ہے)

ہر کہ پیر و ذات را یکجا نہ دید
نے مرید و نے مرید و نے مرید

(جو کہ خدا اور پیر کی ذات کو یک جا نہیں دیکھتا وہ مرید نہیں، ہرگز مرید نہیں)

ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح و شام
آتشِ دوزخ شود بروئے حرام

(جو پاک لوگوں کا چہرہ صبح و شام دیکھتا ہے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے)

سرمہ کن درچشم خاکِ اولیا
تاکہ بیند ابتدا تا انتہا

(اولیاء کی خاک پا کو سرمہ بناؤ۔ تاکہ اول تا انتہا چیزوں کا مشاہدہ کر لو)

ہیں بجو ایں قوم رائے مبتلا
ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا
(اے مبتلائے رنج! اس قوم کی تلاش کر۔ کسی بلا کے آنے سے پہلے انہیں غنیمت سمجھ)

نامراداں را رساند بامراد
اعتقاد است، اعتقاد است، اعتقاد
(نامراد لوگ ان سے مراد پاتے ہیں، یہ ساری بات اعتقاد ہی اعتقاد سے متعلق ہے)

نفس را نہ کُشند بغیر از ظلِّ پیر
دامنِ آں نفس کش محکم بگیر
(نفس کا مرنا پیر کے سائے کے بغیر نہیں نفس کو مارنے والے شیخ کا دامن اچھی طرح پکڑ لے)

منکرانِ طریقت سے مولانا روم رح کی سخت برہمی

جو لوگ طریقت اور اہل طریقت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں مولانا ان کو کافر طریقت خیال کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ایک ایسے چوہے کی طرح تصور کرتے ہیں جو شیر کی دم سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی عبادت میں ذرہ برابر چاشنی نہیں پائی جاتی اور ان کی اطاعات ایسی ہیں جیسے کوئی تخم ہو اور اس میں مغز نہ ہو۔

چیست کافر؟ غافل از ایمانِ شیخ
کیست مردہ بے خبر از جانِ شیخ
(کافر کون ہے؟ جو ایمان شیخ سے غافل ہے۔ مردہ کون ہے جو شیخ کی روح سے بیخبر ہے)

پس تو اے ناشستہ رو در چیستی؟
در نزاع و در حسد با کیستی؟
(اے ناپاک چہرے والے تو کس خیال میں ہے؟ تو دیکھ کہ تو کس کے ساتھ حسد اور جھگڑا کرتا ہے)

بادُمِ شیرے تو بازی می کنی
بر ملائک ترکتازی می کنی
(شیر کی دم کے ساتھ تو کھیلتا ہے اور فرشتوں پر تو حملہ کرتا ہے)

بد چہ می گوئی تو خیرِ محض را
ہیں تو رفعے کم شمر ایں خفض را
(جو خیر محض ہے کیا تو اس کو برا کہتا ہے۔ اپنی اس پستی کو بلندی خیال نہ کر)

در رخ مہ عیب بینی می کنی
در بہشتے خار چینی می کنی
(تو چاند کے چہرے میں عیب دیکھتا ہے؟ اور تو بہشت میں کانٹے چننا چاہتا ہے)

طریقت کی راہ کا ایک اہم مسئلہ

پیر راہ دان کی تلاش

یہ ایک عام فہم بات ہے کہ عمارت سازی میں اگر دیوار کی چنائی میں پہلی اینٹ ہی غلط نصب ہو جائے تو اس پر کھڑی ہونے والی دیوار آسمان تک ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا بیعت کرنے سے پہلے کسی مرشد کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا ضروری ہے ورنہ جن مقاصد کے لئے بیعت کی جاتی ہے سینکڑوں سالہ محنت کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکیں گے۔

ہم سے پہلے زمانے کے بزرگوں نے بھی اخذ بیعت کے سلسلہ میں بہت تردد کیا اور سخت جانفشانی کے بعد ایک حقیقی مرشد کا چناؤ کرتے رہے۔ تلاش مرشد کے سلسلے میں جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے بہت سے مشائخ کبار کی داستانیں ہم تک پہنچیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر اولیائے کرام نے اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لئے بہت دور دراز کے سفر اختیار کئے اور جب کوئی کامل مرشد ملا تو ایک طویل استفادہ کے بعد وصل الٰہی کی دولت سے ہمکنار ہوئے۔ ایسے بزرگوں کی داستانوں کو یکجا کرنے کا کام بہت طوالت طلب ہو گا، لہٰذا اسجلۃً تبرکاً حضرت بایزید بسطامیؒ کے بہت سے سفروں میں سے صرف ایک سفر کا حال، حضرت داتا گنج بخشؒ کی قلم مبارک سے، من و عن، پیش کیا جا رہا ہے، جو انہوں نے کشف المحجوب میں "اثباتِ ولایت" کے باب میں نقل فرمایا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں کہ ـــــ

"حضرت بایزید بسطامیؒ سے ایک حکایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شہر میں اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہے۔ میں اٹھا اور ان کی زیارت کا قصد کر کے چلا۔ جب ان کی مسجد میں پہنچا تو وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے مسجد میں کلی کر دی۔ میں اسی وقت بغیر سلام کئے وہاں سے پلٹ آیا اور میں نے کہا کہ ولی کو چاہئے کہ احکام شریعت پر پابند ہو تا کہ اس پر حق تعالیٰ نظر رحمت فرمائے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو مسجد میں قبلہ رو ہو کر کبھی کلی نہ کرتا، یا (اگر ولی ہوتا تو) اللہ تعالیٰ ہی اس کی حرمتِ ولایت پر نگاہ رکھتا۔ فرماتے ہیں کہ اُسی شب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے شرف حاصل کیا۔ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم فرمارہے ہیں "ابو یزید تم نے جو کام کیا خدا تجھے اس کی برکات سے نوازے" ابو یزیدؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے روز ہی میں اس درجے پر پہنچ گیا جو تم دیکھ رہے ہو"

حضرت بایزید بسطامیؒ بیعت سے پہلے ہی تکمیل طریقت کی بہت سی منزلیں طے کر چکے تھے۔ آپ بیعت سے قبل ہی نہایت اعلیٰ درجے کے زاہد، عابد اور رات بھر عبادت میں مشغول رہنے والے تھے اور شریعت کی خود بھی بہت سختی سے پابندی فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا مرشد ان سے بڑھ کر شریعت کا پابندی کرنے والا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے مرشد کے انتخاب میں ایک نہایت اعلیٰ ولی کی تلاش میں اپنی عمر کا ایک حصہ صرف کر دیا۔ آپ نے ۱۱۳ اولیائے کرام سے صحبت حاصل کی اور خود بھی بڑے پائے کے بزرگ ہوئے۔ اسی طرح حضرت سلطان باھوؒ بھی بیعت سے پہلے نہایت اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور مرشد کی تلاش میں بغداد اور اس کے نواحی علاقوں کو چھان مارا۔ آپ کی تکمیلِ سلوک بھی مرشدِ کامل کی بیعت کے بعد ہوئی۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو روحانی اور طریقت کے ابتدائی درجوں میں کچھ حاصل نہ ہوا ہو اور بیعت سے پہلے مجاہدات کا مرحلہ قطعاً طے نہ کیا ہو تو ان کے لئے سلطان باھوؒ اور بایزید بسطامیؒ کے مرشدوں جیسا مرشد تلاش کرنا تو دور کی بات ہے، ان کی راہنمائی تو کوئی مناسب نسبت والا شیخ بھی کر سکتا ہے۔

ہمارے زمانے میں تصوف کا بنیادی علم عام لوگوں میں تو کیا اچھے خاصے گھرانوں میں بھی خال خال ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ بیعت کے انتخاب میں اکثر فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا رومؒ جو راہ طریقت کے شہنشاہ ہیں فرماتے ہیں کہ جس طرح جانور، شکاری کے منہ سے نکلنے والی جانوروں کی بولی سن کر ہوا سے نیچے اتر آتے ہیں اور جال میں پھنس جاتے ہیں، ایسے ہی عوام بھی جعلی پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

(کیونکہ بہت سے ابلیس آدم کی شکل میں پھرتے ہیں۔ اس لئے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہئے)

ع زانکہ صیاد آورد بانگ صفیرف — تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر

(یہ اس لئے کہ صیاد جانوروں کی سی آواز نکالتا ہے۔ اور اس طرح پرندے پکڑنے والا پرندوں کو دھوکا دیتا ہے)

بیعت کے نہایت غلط انتخاب کی ایک مثال راقم الحروف کے مشاہدے میں آئی کہ ایک لیکچرار صاحب کسی ٹی۔ وی۔ کے ایک ایسے کارکن پر دل و جان سے فدا ہو چکے تھے جن کے فرائض منصبی میں گانے والی عورتوں کا انٹرویو کرنا اور ان کے گانوں پر جھوم جھوم کر داد دینا بھی شامل تھا۔ یہ لیکچرار ان سے بیعت کرنے کے لئے بے قرار تھے، مگر ان کے چہیتے ٹی۔ وی۔ کارکن ان کی فرمائش کو اس لئے پورا نہ کر سکے کہ نہ تو وہ خود کہیں سے بیعت تھے اور نہ ہی وہ بیعت کے منصب سے آگاہ تھے۔ ایسے

بے شمار پیر دیکھنے میں آتے ہیں جو جاہلِ مطلق ہوتے ہیں، لیکن باتیں کرنے میں خوب مہارت رکھتے ہیں اور لوگوں پر اپنی مصنوعی عارفانہ باتیں بیان کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں لوگ ان سے بیعت بھی کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص سے پوچھا گیا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو جواب میں کہنے لگے کہ ہمارا تو سر ہر وقت خدا کے آگے جھکا رہتا ہے۔ ایک ایسے ہی شخص نے اس بات کا جواب یوں دیا کہ ہم نماز پڑھتے تو نہیں لیکن کبھی تمہیں پڑھ کے دکھائیں گے۔ غرضیکہ یہ تمام لوگ جھوٹے پیر اور تصوف کے چور ہیں۔

بغیر سوچے سمجھے بیعت کرنے کی ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ چند دوست کسی پیر سے بیعت ہوئے، تو دیکھا دیکھی ان کے ساتھ جانے والے حضرات بھی بیعت ہو گئے یا کسی بڑے آدمی سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس کے پیر سے بیعت کر لی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی پیر کو اعلیٰ قسم کے جُبّے میں ملبوس پایا اور اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کو دیکھا تو مرعوب ہو کر بیعت ہو گئے، حالانکہ بقولِ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کلاہ اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے، پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے۔ غرضیکہ بہت سے لوگ کسی نہ کسی طرح دھوکا اور فریب میں مبتلا ہو کر اپنی لاعلمی میں بیعت ہو جاتے ہیں۔

اسی جگہ قارئین کی چند ایسی باتوں کی طرف راہنمائی کی جائے گی جس کے باعث وہ مقاصدِ تصوف میں کامیاب ہو سکیں اور غلط انداز پیروں سے بچ سکیں۔ حضرت معین الدین چشتی ؒ نے حضرت داتا گنج بخش ؒ کے مزار پر ۴۰ دن چلہ کشی کی (جہاں آج کے کچھ پیر حاضری دینا بھی پسند نہیں کرتے) اور آپ نے یہ فرمایا کہ جس کو کوئی پیر نہ ملتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش ؒ کی کشف المحجوب کا مطالعہ کرے تو اسے پیر مل جائے گا۔ راقم الحروف اس کے ساتھ یہ اضافہ کرتا ہے کہ اگر کوئی کشف المحجوب کے علاوہ مثنوی مولانا روم ؒ، مکتوبات ربانی، عوارف المعارف، غنیۃ الطّالبین، مولانا عطار کا تذکرۃ الاولیاء، مدارج نبوت، رسالہ مکیہ (امداد السلوک) کا یا ان میں سے کسی ایک کا مطالعہ کرے تو اس پر طریقت کی راہوں کی شناخت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔ ان کتابوں میں سے کسی ایک کتاب، مثلاً کشف المحجوب کے مطالعہ سے، قارئین کی حضرت داتا گنج بخش سے ملاقات ہو جاتی ہے، علم تصوف کی حقیقت سے آگہی نصیب ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزاج و عقیدہ کس طریقے اور کس نہج پر تھا، ان کی ذات کی علوشان کن بلندیوں کو چھو رہی تھی، ان کی روحانیت کا اثر پڑھنے والے کے دل و دماغ پر کس طرح جلوہ فگن ہوتا ہے اور ان کی کتاب کے حروف سے انوار، ان کے وصال کرنے کے بعد آج بھی کیوں اور کس طرح میسر ہوتے ہیں؟ اس کتاب کے یہ تمام تاثرات اس کے پڑھنے والے کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ غلط پیر کی بیعت پر کبھی راضی نہ ہو سکے گا۔ اولیائے کبار کی کتابوں کے مطالعہ سے وہ بنیادی علوم حاصل ہو جاتے ہیں جن سے اصل اور نقل میں فرق ہو سکے۔ حضرت عبدالسّلام ہروی ؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ـــــــــ

"الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے تجھے پہچان لیا اور

جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا"

اب آپ ان حقائق اور نکات کو ذہن نشین کر لیں جن کا معلوم ہونا بیعت کرنے سے پہلے لوازماتِ طریقت میں سے ہے۔ یہ نکات طریقت کے زریں اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کئے گئے ہیں اور راقم الحروف کے علم، تجربے اور پرکھ کے بعد اس کتاب میں شامل کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین اور نوخیز متلاشیانِ طریقت کی بروقت راہنمائی ہو سکے، ورنہ دوسری صورت میں اگر وہ ان نکات کو خود دریافت کرنے لگیں تو کافی مدت درکار ہو گی۔

۱۔ شیخ کے عقائد کی پرکھ

شیخ کے عقائد کی پرکھ سب سے پہلا اور نہایت اہم مرحلہ ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ہاں اعمال میں کچھ کمی ہو جائے تو یہ بات قابل معافی ہو سکتی ہے لیکن عقائد میں کمی ہو تو سراسر خرابی ہی خرابی ہے۔ اگر ہمارے عقائد اہل سنت و الجماعت کے مطابق درست نہ کریں تو سینکڑوں سال عبادت کرنے سے بھی وصل الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے عقائد میں غلو کیا، ان کے نام آفتاب ولایت کی چمک حاصل نہ کر سکے۔ کوئی شخص عالم تو ہو سکتا ہے لیکن بزرگی ہر عالم کے لئے نہیں ہوا کرتی۔ اسلامی علوم کی شناوری کرنے والے تو ہندو، سکھ اور عیسائی بھی بہت ہوتے ہیں بلکہ کچھ مسلمان علماء کی مثال تو گدھے کی طرح ہوتی ہے جن کے لئے قرآن نے یحمل اسفاراً فرمایا ہے۔

یہ نکتہ معلوم کرنا قارئین کی ذمہ داری پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کی پہچان کن ذرائع سے معلوم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اعلیٰ اشارا یہ بھی ہے کہ بیعت کرنے والے خود اس بات کو معلوم کریں کہ داتا گنج بخش ؒ، معین الدین چشتی ؒ، نظام الدین اولیا ؒ، بابا فرید الدین گنج شکر ؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی ؒ وغیرہ کا عقیدہ کیا تھا جس کی وجہ سے ان کا شمار مشائخ کبار میں ہوا۔ (ان اولیاء کی کتابوں میں ان کا عقیدہ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے) بیعت کرنے والوں کو یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں وہ کون سے گروہ موجود ہیں، جن میں اولیاء کا قطعاً ظہور نہیں ہوا (خالی از ولایت علماء کو اولیائے کرام کی فہرست میں شامل نہ کیا جائے)۔ یاد رکھیں کہ اہل طریقت وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق کرتے ہیں اور اگر وہ آپ کو اللہ کا رسول جانتے ہوئے آپ کی شان بیان کرنے میں مبالغہ بھی کر جائیں تو حرج نہیں۔ اہل تصوف مذکور بالا اولیاء (اور اس قسم کے دیگر اولیاء) کی کتابوں کو مانتے اور مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ ہم کشف المحجوب کو نہیں مانتے۔ وہ اپنی محفلوں میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوم جھوم کر سنتے

ہیں اور تصوف کے رموز کو گاہے گاہے اپنی محفلوں میں افشا کرتے ہیں۔ ان کے چہروں پر اولیاءؒ کی محبت کے خاص اثرات نظر آتے ہیں۔ جب وہ اولیاء سے متعلق محبت بھری بات کریں تو اشکبار ہو جاتے ہیں اور ان پر ایک عجیب کیف وارد ہو جاتی ہے جو دوسرے لوگوں پر نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی ایک خاص پہچان یہ ہے کہ وہ رابطہ شیخ کو معیوب نہیں سمجھتے بلکہ اس کی وجہ سے تصرف حاصل کرتے ہیں۔ یہ بزرگ اولیائے کبار کی مزاروں پر باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں اور کشف القبور کے علاوہ ان سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔ وہ اہل قبور سے باقائدہ گفتگو کر سکتے ہیں۔ ان اولیاء میں سے اکثر اولیاء شاعر ہوتے ہیں اور خود بھی نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں (اگرچہ کئی غیر اولیاء عالم بھی نعت لکھتے رہے ہیں)۔ ان اولیاء کرام کی جماعت کفار کی کسی سیاسی یا غیر سیاسی جماعتوں سے کبھی تعاون اور الحاق نہیں کرتی اور جب کوئی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آنے لگے تو کفار سے مل کر آزادی کے خواہاں مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز محاذ قائم نہیں کرتے۔ معمولی فہم والا شخص بھی یہ جان سکتا ہے کہ کفار کے ساتھ تعاون کرنے والے اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے والے گروہوں میں کب کوئی ولی اللہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس قدر واضح علامات بیان کرنے کے بعد بھی اگر کوئی اہل طریقت کی نشاندہی نہ کر سکے تو یہ اس شخص کی محرومی اور بدقسمتی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۔ نوعیتِ فیض

طالبِ طریقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اگر کسی شیخ کے پاس بیٹھے تو یہ معلوم کرے کہ اس کے ساتھ نشست کے درمیان اس کی قلبی کیفیت میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ اگر کچھ دن اس کی صحبت میں رہے تو طالب کی کایا پلٹ جائے۔ پہلی یا دوسری ملاقات میں اگر طبیعت نیکی کی طرف مائل ہو اور نماز و روزہ اور ذکر میں دل لگے تو یہ شیخ سے فیض حاصل کرنے کی علامت ہے۔ کبھی کوئی طالب اپنے دل میں صفائی کے باعث غلط انداز پیروں کی باتوں سے بھی چند روز کے لئے نماز شروع کر دیتا ہے مگر مستقل نمازی نہیں بنتا۔

۳۔ مجلس میں نوعیتِ کلام

طالب یہ بات نوٹ کرے کہ جس شیخ کے پاس وہ جا کر بیٹھتا ہے کیا وہ اپنی مجلسوں میں ایسی روحانی گفتگو کرتا ہے کہ طالب کے علم میں تصوف کے علوم میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے دل کے شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس بیٹھنے سے تصوف کے علوم کی ماہیت سے متعلق ذہنی کیفیت صاف ہوتی ہو اور کلام دل پر اثر کرتا ہو تو اس شیخ سے بیعت فائدہ مند ثابت ہوگی۔

۴۔ وسعتِ دائرہ اصلاح

طالب یہ دیکھے کہ کسی شیخ کی صحبت سے عوام الناس کافی تعداد میں اصلاح پذیر ہوتے ہیں یا کہ وہ فقط تعویذ دھاگوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ اچھے پیر کی علامت یہ ہے کہ کچھ دیر اس کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی کایا پلٹ جائے اور اس طرح وہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کی اصلاح کر چکا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی خاموشی میں بھی اصلاح کا ایک پہلو ہوتا ہے اور کبھی اس کی امامت میں نماز پڑھنے والے لوگ نمازی بن جاتے ہیں۔

۵۔ پابندیٔ شریعت

جو مرشد صاحبِ ہوش و ہواس ہو اور پابندِ شریعت نہیں، وہ خواہ (بعض جوگیوں کی طرح) ہوا میں بھی اڑتا ہوا نظر آئے تو روحانیت میں بالکل صفر ہے۔ اس کی بیعت سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی شیخ داڑھی کے بغیر طریقت کا علمبردار بنتا ہو (اور مجذوب نہ ہو) تو اس کا دعویٰ فقر بے بنیاد ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ اس کی بیعت کی جائے (خشخشی داڑھی بھی اسی حکم میں ہے)۔ ایسے غیر شرعی پیروں نے ہی منصب فقر کو بدنام کیا ہے اور انہوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں ان کے اقوال اور ڈھینگوں کو بیان کرنا مقصود نہیں۔ جس کا طریقہ شریعتِ مُطہرہ کے مطابق ہو تو اس کی ولایت پر قرآن گواہی دیتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ فرماتے ہیں کہ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھ رہنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اگر کوئی ایک شرعی مسئلہ سن کر اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

۶۔ دفع مصائب کے لئے چارہ سازی

بہت سی بلائیں، بیماریاں، مفلسی اور مصائب اگرچہ انسانوں کے مقدر میں ہوتے ہیں لیکن ان مصائب کے آنے کی اصل وجہ اکثر طور پر عوام کو معلوم نہیں ہوتی۔ شیخ کامل ایسی باتوں کی نوعیت کو معلوم کر کے اس کا علاج بذریعہ دعا، تعویذ، دم، صدقہ، وظائف اور کچھ مخصوص طریقوں سے ساتھ تجویز کرتا ہے، جس سے تقریباً ۸۰ سے ۹۰ فیصد مریدوں کے کام درست ہو جاتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے کہ "پیر ضامن (کفیل) ہوتا ہے" اور مرید کے تقریباً تمام مصائب کے رفع کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ (بشرطیکہ مرید واقعی معنوں میں مرید ہو)۔ سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ اگر پیر ایسا نہ کر سکے تو اسے ندی میں بہا دینا چاہئے۔ عام لوگوں کو اپنی مصائب کی وجوہات کا علم نہیں ہوتا اس لئے تمام عمر پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے دکھوں کی علاج گاہ پیر خانے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیعت کرنا نہایت ضروری قرار دیا گیا ہے، مگر افسوس کہ اکثر لوگ پیروں سے مروّجہ عناد کے باعث محرومیت

کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۷۔ دعاؤں کی قبولیت

اکثر دیکھا گیا ہے کہ نیک لوگوں اور کسی سلسلہ میں بندھے ہوئے بزرگوں کی دعائیں عام لوگوں کی نسبت زیادہ مقبول ہوتی ہے کیونکہ نیچے سے اوپر تک اس کے سلسلہ کے تمام بزرگ اپنی روحانیت سے اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ایسے واقعات جن میں مشائخ کی دعا قبول ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، آگ کی طرح اکناف و اطراف میں مشہور ہو جاتے ہیں اور ان کی شہرت دور دور تک ہو جاتی ہے۔ ان بزرگوں کی یہ مشہوری ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی علامت ہے۔

۸۔ تقویٰ اور زینہ رشد و ہدایت کا جاری ہونا

اچھے مشائخ کی علامت یہ ہے کہ وہ زہد اور تقویٰ میں اچھا خاصہ جہد کرتے ہیں اور ان کے مرید بھی ان کے اس فیض کو آگے عوام میں جاری کر دیتے ہیں اور ان کی نیکی صرف اپنے آپ تک محدود نہیں ہوتی۔

۹۔ پیشہ ورانہ لالچ

بعض مشائخ پیشہ ورانہ طریقے پر صرف نذرانے وصول کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح ان کے ہاں دیکھنے میں نہیں آتی۔ اگرچہ نذرانہ قبول کرنا سنت ہے مگر وصول شدہ نذرانوں کا بیجا استعمال معیوب ہے۔ ایک ولی کے لئے ضروری ہے کہ خود کو عیش و عشرت سے دور رکھے۔

۱۰۔ بیعت وہیں مناسب ہے جہاں سے کسی کی اصلاح ہوئی ہو

جس شیخ نے کسی کو گمراہی سے نکال کر دین کی شاہراہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہو تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طالب کو اس شیخ سے فیض حاصل ہوا ہے اور یہ طریقت کا قانون ہے کہ جہاں سے فیض ملتا ہو تو بیعت اسی جگہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۱۱۔ دنیا کی مرادیں اور کرامات

بعض دنیاوی مرادیں اس لئے پوری نہیں ہوتیں کہ طالب کی عقیدت درست نہیں

ہوتی اور وہ پیروں کے پاس جاتا ہی اس لئے ہے کہ اس کے کام ٹھیک ہو جائیں۔ اگر کوئی کام نہ ہو سکے تو اس پیر کو چھوڑ نہیں دینا چاہیئے۔ کچھ لوگ کرامات پر نظر رکھتے ہیں اور کرامات نہ دیکھیں تو مایوس ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ کرامات ولایت کی شرط نہیں۔ کچھ کام ایسے بھی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت آمادہ نہیں ہوتی یا یہ کہ اس کام کے ہونے میں طالب کی بہتری متصور نہیں ہوتی، اس لئے وہ کام نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں مایوس ہو جانا درست نہیں۔

۱۲۔ چند مریدوں کے ساتھ امتیازی سلوک

اگرچہ بڑے آدمی کی اصلاح کو اصلاحِ کثیر (بہت لوگوں کی اصلاح کے برابر) تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ شیخ کسی غریب اہل شوق کو قطعاً نظر انداز کر دے۔ وقتی طور پر شیخ اگر کسی بڑے آدمی کی طرف توجہ زیادہ کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح کا کام کرنے میں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ان غریب مریدوں کی طرف توجہ کرنا بھی ضروری ہے جو واقعی معنوں میں طریقت کی طرف زیادہ راغب ہوں۔ یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ شیخ غرباء کے لئے وقت دیتا ہے کہ نہیں۔ اگر شیخ غرباء کو بھی مناسب اوقات میں توجہ دیتا ہے تو اس بات کی پروا نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ بڑے لوگوں کو کیوں توجہ دیتا ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ سے دعا

اگر طالب سچے دل سے اور بغیر تعصب فرقہ بندی، اللہ سے دعا کرتا رہے اور پیر کی تلاش جاری رکھے تو یقینی طور پر اسے کوئی اچھا شیخ مل جاتا ہے۔ کچھ لوگ مزاروں پر جا کر صاحب مزار سے دعا کے لئے کہتے ہیں تو ان کو کسی اچھے شیخ کا ملنا آسان ہو جاتا ہے یا صاحب قبر اسے کسی مناسب پیر کی خبر دے دیتا ہے۔

مذکورہ بالا نکات کا صحت مندانہ جائزہ لینے والے طالب عموماً اپنی منزل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ طالبِ طریقت شکوک میں گرفتار ہو جائے یا پہلے سے ہی عصبیت (پختہ تعصب) کا شکار ہو تو وہ اولیاء کی راہنمائی کے قابل نہیں رہتا۔ ایسے شخص کو اولیائے کرام محروم طریقت تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ روزِ ازل سے ہی بدبختی کا شکار ہو چکا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اختتامیہ

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر
بعد ازیں نآید چو من مردِ فقیر

(میری آب و تاب سے اپنا حصہ لے لو ـــ اس کے بعد مجھ جیسا کوئی مردِ فقیر نہیں آئے گا)

طریقت کے علوم، بحرِ عمیق کے پانیوں کی طرح، گہرائی کی انتہاؤں تک پہنچے ہوئے ہیں اور ان کو احاطۂ تحریر میں لانا کسی حالت میں بھی ممکن نہیں۔ تاہم اس کتاب میں وہ تمام معلومات فراہم کر دی گئیں ہیں جو ایک طالبِ طریقت کے لئے سلوک کی ابتدائی منزلیں طے کرنے کے لئے ضروری خیال کی جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ قوم کے افراد ان کی صحبت کے ذریعے ملنے والے آب و تاب سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ ایسے مواقع ان کی زندگی کے بعد شاید ہی مل سکیں۔ لہٰذا طالبانِ راہ سلوک کو چاہئے کہ جہاں سے بھی کوئی فائدہ مند صورت نظر آئے اس سے استفادہ حاصل کرنا چاہئے۔ تشنگانِ طریقت کے لئے "اسلام اور روحانیت" کے نام پر ایک اور ضخیم کتاب اختتام پذیر ہونے کو ہے، جس میں روحانیت کے معاملات کو مزید تفصیل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ جلد ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گی۔

زیرِ نظر کتاب میں راقم الحروف نے قارئین کے دل میں یہ بات جاگزیں کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ کسی مردِ کامل سے بیعت کرنے کا شرف حاصل کر چکے ہیں ان کے لئے یہ امر نہائت ضروری ہے کہ وہ طریقت کے بنیادی علوم کو بھی حاصل کریں اور اپنے شیخ سے طریقت کے مختلف پہلوؤں پر تربیتی ہدایات کو تلاش کریں۔ ایسی تکمل تربیت حاصل کرنے کے لئے طریقت کے علوم کا حاصل کرنا اور کسی مرشد کامل کی صحبت اختیار کرنا نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ جب کسی سالک کو علم اور صحبت کا امتیاز حاصل ہو جائے تو پھر ان علوم پر عمل کرنا اور مجاہداتِ طریقت سے خود کو آراستہ کرنا طریقت کے واجبات میں شامل ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ طریقت محض علوم طریقت کو حاصل کرنے، مجاہدات پر زیادہ رغبت کرنے اور مشائخ کی صحبت اختیار کرنے پر ہی انحصار نہیں کرتی بلکہ روحانیت کا پیدا ہونا اسی حالت میں ممکن ہے جب سالک مذکورہ عبادات میں مخفی حکمتوں، اور روحانی اعمال کے پس منظر

میں موجود غایت او منشاء الٰہی کو سمجھ لے۔ مختصراً یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر انسان کے یہ اعمال اس کو خدا تک پہنچانے کے قابل نہ بنائیں تو اس وقت تک خدا کے وصال کی راہیں اس پر نہیں کھل سکیں گیں۔ مولانا روم ؒ نے بھی اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ طریقت خدا کی راہ دکھاتی ہے اور راہ صرف وہی ہو سکتی ہے جو بندے کو شہنشائے حقیقی کی بارگاہ تک پہنچا دے اور انسان ہر وقت اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک لاسلکی واسطہ محسوس کرے۔ ایسے لوگ ہمہ وقت اپنے آپ کو خالق حقیقی سے متصل محسوس کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر ہی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (وہ بندگانِ خدا جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ النور ۳۷)

یہ بات بھی تجربے سے ثابت ہوتی ہے کہ اولیائے کرام سے رابطہ مقصود ہو تو ان کے ملفوظات اور تصنیفات کا مطالعہ کیا جائے۔ ایسا کرنے میں اگر انہماک حاصل ہو تو انسان خود کو ان بزرگوں کی محفل میں موجود پاتا ہے اور ان کی فیوضات سے، بقدرِ استطاعت، استفادہ حاصل کرتا ہے جو احساس ان بزرگوں کی تصنیفات کو پڑھنے کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ ایک سالک کو وصل کے بلند درجات تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح مختلف بزرگوں کی صحبت میں رہنے والے سالکین، صحبتِ شیخ اور استفادۂ علم سے اس قدر محظوظ ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روحانی قوتوں کو خود اپنے اندر موجود پانے لگتے ہیں۔ مشائخ سے رابطہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جو لوگ ان مشائخ سے ربطِ تام حاصل کر لیتے ہیں وہ ان کی بزرگی کے کمالات کو کافی حد تک حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام کیفیات اولیائے اکرام کے ساتھ والہانہ محبت اور عشق کے بغیر متصوّر نہیں۔ جو لوگ اپنے دلوں میں ان بزرگوں سے متعلق نکتہ چینی کی صورت میں شکوک اور اوہام رکھتے ہیں وہ ان کے فیوض سے بھی محروم رہتے ہیں۔

پریشانیوں کے رفع کرنے کا واحد طریقہ

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد (تقریباً ۹۲ فیصد) مصائب اور مشکلات سے دو چار ہے اور ان کے نزدیک ان پریشانیوں کا کوئی حل نظر نہیں آتا، حالانکہ ایسی پریشانیوں کو دور کرنے کے کچھ نہایت آسان حل قرآن میں موجود ہیں اور اس کتاب میں بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بھاری اکثریت کو مشکلات کے حل کرنے کے طریقوں کا عمر بھر علم ہونے نہیں پاتا۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ تجویز کیا جا رہا ہے تاکہ عوام اپنی پریشانیوں کا ازالہ کر سکیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو جب تخلیق فرمایا تو سب کو اس بات کی تلقین فرما دی کہ اگر تم دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے خواہشمند ہو تو ہم نے اس کا ایک طریقہ متعین فرما دیا ہے لہٰذا جو اس طریقے کو اپنائے گا وہ خسارے میں نہیں رہے گا۔ فرمایا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ط (یعنی ہم نے تم میں سے ہر گروہ کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ (المائدہ آیت ۴۸)

اس خدائی قانون یا طریقے کی وضاحت تو بہت طویل ہے مگر سیدھے سادھے مسلمانوں کی فہم میں آسان الفاظ میں ڈ ا لنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان سے یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ اگر تم میرے ساتھ ٹھیک ہو جاؤ تو میں تمہارے ساتھ ٹھیک طرح پیش آوں گا۔ تم میرا خیال رکھو میں تمہارا خیال رکھوں گا۔ علامہ اقبالؒ نے اس عقیدے کو یوں بیان کیا ہے۔

مرد مومن باخدا دارد نیاز
با تو ما سازیم تو با ما بساز

ترجمہ (مرد مومن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ راز و نیاز کی بات طے کی ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ موافقت کرو گے تو ہم تمہاری موافقت میں آ جائیں گے)

اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل آیت ۸ میں فرمایا کہ اگر تم فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹ آئے تو ہم بھی (تمہاری گرفت کی طرف) لوٹ آئیں گے۔ فرمایا اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ اگر شکر کرو گے تو ہم تمہارے لئے اپنی عطا کردہ نعمتوں میں اور بھی اضافہ کر دیں گے۔ سورہ طٰہٰ آیت ۲۴ میں فرمایا کہ اگر تم مجھے بھلا دو گے تو میں بھی تم سے روگردانی کر لوں گا۔ (یاد رکھو جس سے اللہ منہ پھیر لے تو اس کا کیا حشر ہو گا)۔ احادیث میں آیا ہے کہ جو میرا ہو گیا تو سمجھو کہ میں اس کے لئے ہو گیا۔ جس نے اپنی مرضی میرے سپرد کر دی تو میں اپنی مرضی اس کے سپرد کر دیتا ہوں اور وہ جو چاہے وہی ہو گا۔ ایسے شخص کا کہنا اللہ کا کہنا بن جاتا ہے۔

ان آیات کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے سخت مجاہدات طلب کرتا ہے یا لمبے لمبے اوراد اور وظائف کی توقع رکھتا ہے۔ ہرگز نہیں یہ ریاضتیں تو ان کے لئے ہیں جو جنیدؒ اور بایزیدؒ بننا چاہیں۔ آپ سے تو وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ حرام کاری چھوڑ دو اور نماز و روزہ کا طریقہ اپناؤ۔ اس مطلوبہ عبادت کے لئے دن میں صرف آدھ گھنٹہ کا وقت درکار ہوتا ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ محض نماز و روزہ کی پابندی سے ہی اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اتنا کام بھی نہیں کر سکتا تو پھر اس کو مصائب کا شکوہ نہیں کرنا چاہئے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر آپ حرام کاری ترک کرنے اور نماز روزہ کی پابندی کرنے کے بھی قابل نہیں ہیں تو خود کو کسی پیر کامل کے سپرد کر دیں۔ وہ خود ہی آپ کو پابند صوم و صلوٰۃ کر دے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ پیرِ کامل وہ ذات ہے کہ اگر آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں اور واقعی معنوں میں اس کے مرید ہو گئے تو وہ اپنے تصرف سے آپ کی پوری کائنات بدل دے گا اور آپ کو خدا کی بارگاہ میں پیش کر دے گا۔ یقین رکھیں کہ ایسا پیرِ کامل آپ کی تمام بیماریوں، پریشانیوں، مصیبتوں اور مشکلوں کا حل تجویز کرے گا۔ کیونکہ وہ زندگی کے ایسے تمام امور کی درستگی سے بخوبی واقف ہے اور ان تمام کاموں کو درست کرنا اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں۔ ذرا آزما کر تو دیکھیں، مگر اس میدان میں آنا ہو تو عقیدت کے ساتھ آئیں۔ حضرت میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں۔

ہر مشکل دس کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے، مشکل رہے نہ کائی

اس کتاب میں شامل کئے گئے تربیتی مضامین سالک کو ان منزلوں کی طرف راہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں جن کا اشارہ اوپر کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قارئین کو ایسا ذوق و شوق عطا فرمائے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور مشائخ عظام کا مطلوب اور محبوب بنا دے۔

اللھم وفقنا فی مھمات الامور بحرمت سید یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آمین

مصنّف کی تصنیفات

نام کتاب اور پبلشر	موضوع
بیعت کی تشکیل اور تربیت : (جنگ پبلشرز، دوبار شائع کر چکے ہیں)	بیعت کا جواز، اس کی اہمیت اور تصوّف کے احوال واشغال پر مدلّل گفتگو
حضورِ قلب : (جنگ پبلشرز سے دوبار چھپ چکی ہے)	معارفِ قلب، خشوع وخضوع، اقبال کا فلسفۂ حضور
تہذیبِ نفس : (پریس میں جانے والی ہے)	خطرات، آفات نفس اور تزکیہ، تصفیہ باطن، دنیائے دنی اور نفس کی حقیقت
رابطۂ شیخ : (جنگ پبلشرز سے شائع ہو چکی ہے)	رابطۂ شیخ اور تصورِ شیخ کا جواز، شیخ طریقت سے حاصل ہونے والی روحانی تجربات، حالات، معاملات اور تصرفات
احیائے سنت : (پریس میں عنقریب جانے والی ہے)	سنت کا تعارف، مقام، مفہوم، اقسام، تاریخ، تدوین، شرعی حیثیت، احیاء اور اتباعِ سنت کی ترغیب
نشانِ منزل : (پرانا نام نشانِ منزل جلد اوّل حصہ اوّل) (سنگ میل سے تیسری بار طبع ہو چکی ہے)	پابندی صوم، صلوٰۃ کی اہمیت پیدا کرنے والی کتاب، دین کے بنیادی علوم مہیا کرتی ہے۔
حُسنِ نماز : (روح نماز، نشان منزل جلد دوم، فیروز سنز عنقریب شائع کر رہے ہیں)	نماز کے مفصل معارف اور روحانی اسرار ضخامت 800 صفحات
سرمایۂ ملت : (پرانا نام نشان منزل جلد اول حصہ دوم) (کام جاری ہے)	ملت اسلامیہ کا چراغ، مسلمانوں کا علمی نصاب، سرمایۂ قرآن، اقبالؒ اور رومی کی خدمات، مکتوبات لطیف
متاعِ اخلاق : (پرانا نام نشان منزل جلد سوم)	اخلاقیات پر ایک خوبصورت اور دلچسپ کتاب

☆ **اسلام اور روحانیت :**
(تکمیل کا کام جاری ہے)
تصوف کے علوم ا[illegible] حق کی تلاش [illegible] سلا[illegible]

☆ **مسلک اولیائے امت :**
(ہنوز زیر ترتیب ہے)
[illegible] وضاحت جن پر جملہ اولیائے [illegible] م قائم رہے

☆ **بیا بہ مجلسِ اقبال :**
(شیخ غلام علی پبلشرز عنقریب شائع کرنیوالے ہیں)
اقبال کے فارسی کلام کی فہرست جس کی مدد سے علامہ کا کوئی شعر بھی ڈھونڈا جا سکتا ہے

☆ **جنیدؒ و بایزیدؒ :**
(ہنوز کام جاری ہے)
روحانیت جنیدؒ و بایزیدؒ اور ان کے مقالات واحوال

☆ **عقل و عشق اور فلسفۂ خودی :**
(نستعلیق کمپیوٹر کمپوزنگ ہو چکی ہے)
کمالات عشق اور اقبالؒ کا فلسفۂ خودی

☆ **اکتساب رزق وانفاق :**
(کام جاری ہے)
قرآن کا روحانی انداز اکتاب وانفاق

☆ **مسئلۂ تقدیر :**
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
نوجوانوں کی بے عملی کا خوبصورت حل

☆ **اقبال اور دیگر شعراء :** (تقابلی جائزہ)
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
مصنّف کے بڑے بھائی جناب کے ایم نیاز کی غیر مطوبہ تحریروں کا مرتب مجموعہ ، اقبالؒ اور چند دیگر شعراء پر مفصّل اور پُر مغز تحریر

☆ **ثنائے خواجہ :**
مصنّف کے نعتیہ کلام کا مجموعہ

(جملہ کاموں کی نگرانی ہو رہی ہے)

تعارفِ مصنّف

نام : عبداللطیف خان نقشبندی — سال پیدائش : ۱۹۲۷ء

مقام پیدائش : جالندھر — تعلیم : ایم۔ایس سی و دیگر محکمانہ تعلیمات

پیشہ : ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات، لاہور حال سرپرست، ادارۂ تبلیغ و ترویج اسلام اور سلسلہ درس و تدریس

فون : ۶۶۶۵۴۷۵ - ۶۶۶۶۶۳۱

اسلام کی ترویج اور اشاعت میں جن مقتدر ہستیوں نے کردار ادا کیا ہے اور جن کے طفیل وطن عزیز میں آبادی کا بہت بڑا حصہ اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوا ہے، ان میں سے ایک اہم شخصیت، مصنف کتاب ہذا پیر عبداللطیف خان نقشبندی بھی ہیں۔ موصوف اپنی دینی خدمات کے باعث ملک اور بیرون ملک، دینی حلقوں میں خاصے معروف ہیں۔ اگرچہ آپ نے چالیس برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا ہے جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس اور فنی مہارات کے متعلقات سے وابستہ رہا، مگر آپ نے اس محکمہ کی اہم ذمہ داریوں کے علاوہ اوائل شباب سے ہی دینی علوم اور تصوف کے عمیق علوم کا مطالعہ کیا اور اب تک آپ متعدد رسائل اور مکتوبات کے علاوہ پندرہ سے زائد دینی کتب کے مصنف ہونے کا اعزاز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے لاتعداد مضامین تصوف، روحانیت اور دیگر اسلامی عنوانات پر نوائے وقت، جنگ اور خبریں جیسے اخبارات کے علاوہ مختلف دینی رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔ آپ کی جو کتب اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، یا عنقریب ہونے والی ہیں ان میں سے "نشانِ منزل"، "حُسنِ نماز"، "بیعت کی تشکیل اور تربیت"، "حضورِ قلب"، "بیابہ مجلسِ اقبال"، "رابطۂ شیخ" "متاعِ اخلاق"، "سرمایۂ ملت"، اور "تہذیبِ نفس" قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی دیگر آٹھ عدد کتب ہنوز تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔

مذکورہ بالا تصانیف و اشاعت کے ساتھ ساتھ پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے تبلیغ کا ایک انوکھا سلسلہ وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ آپ مختلف مقامات پر کچھ لوگوں کے اجتماع میں دو تین دنوں کے لئے (صرف ایک گھنٹہ یومیہ) درس کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں وہ جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوبصورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے ہیں کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات تو آپ چند منٹوں میں ہی لوگوں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں آپ کے اس حسن تعلیم و تدریس اور صحبت فیض بخش سے اب تک ہزاروں مسلمان نشہ اسلام سے سرشار ہو چکے ہیں مصنف کی خواہش ہے کہ اگر درسوں کے اس طریقے کو وسیع تر پیمانے پر رائج کیا جائے تو مسلمانوں کی کثیر تعداد بہت جلد اصلاحِ نفس اور تعمیر سیرت و کردار کی دولت سے مالا مال ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے حکومت یا متموّل حضرات کی توجہ کی اشد ضرورت ہے۔